ماہنامہ

المرشد

اللہ
رسول
محمد

نومبر 2016ء

صفر المظفر 1438ھ

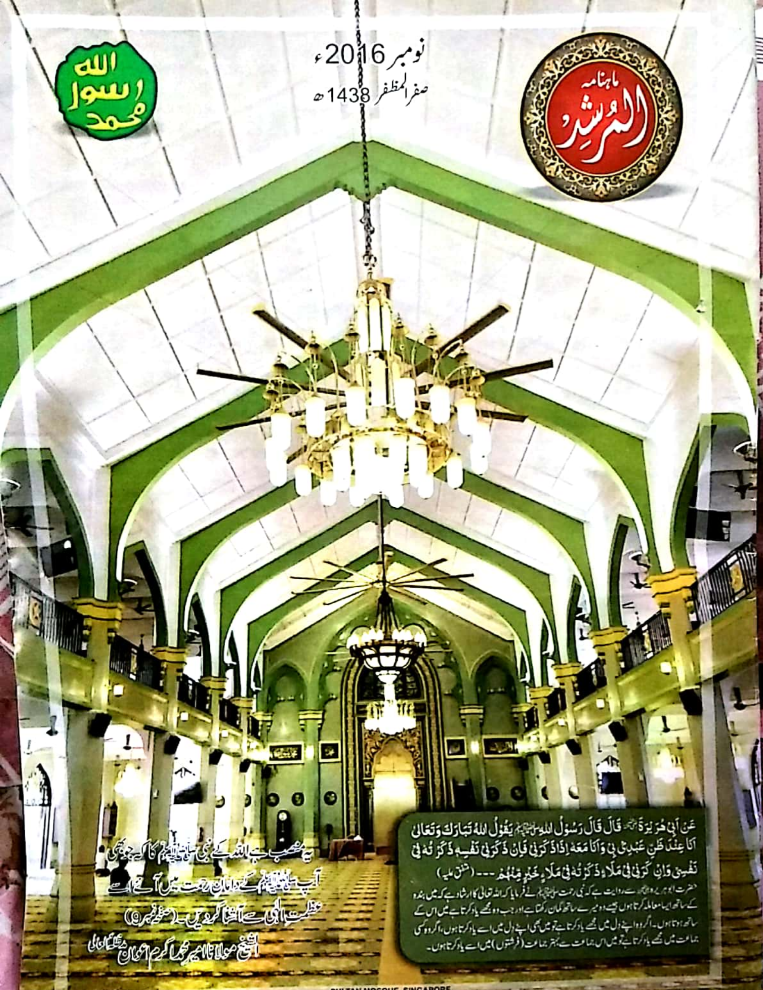

یہ منصب ہے اللہ کے نبی ﷺ کا کہ جو بھی آپ ﷺ کے دامانِ رحمت میں آ جائے اسے عظمتِ الٰہی سے آشنا کر دیں۔ (صفحہ نمبر 9)

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ --- (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہوں جیسے وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اسے یاد کرتا ہوں، اگر وہ کسی جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت (فرشتوں) میں اسے یاد کرتا ہوں۔

SULTAN MOSQUE, SINGAPORE

تصوّف

تصوّف

یہ عام مشاہدہ ہے کہ جب انسان کے حواسِ خمسہ کمزور پڑتے ہیں بوجہ بیماری یا ضعیف العمری تو عمر بھر کی شناسائی بھی کام نہیں دیتی۔ انسان اپنے قریبی عزیزوں کو بھی پہچان نہیں پاتا۔ ہر روز دیکھنے کے باوجود بھی پریشانی کا سامنا رہتا ہے۔ ایسے ہی جب روح کے حواس کمزور پڑتے ہیں تو سب سے پہلے جس رشتے کو دھندلاتے ہیں وہ ہے نبی رحمت ﷺ سے رشتہ۔ روح کے حواس کا معاملہ انتہائی لطیف اور نازک تر ہے۔ ہر بات جو سنی، جو دیکھی اور جو کہی ان پر اپنا ایک اثر مرتب کرتی ہے۔ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ہر گناہ دل پر سیاہ دھبہ بناتا ہے۔ مسلسل گناہ دل کو بالکل تاریک کر دیتا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں قلب کی صحت و بیماری کی علامات نہایت تفصیل سے ارشاد ہیں۔ ایک لطیف نکتہ ہمیں ملتا ہے کہ دل جب بیمار ہو، نفاق کا مرض ہو تو نبی ﷺ کی رائے سے الگ اپنی رائے پر اصرار کرتا ہے۔ دین کی راہ میں ذرا سی بھی قربانی نہیں دے سکتا۔ ہاں دین سے مفادات سمیٹنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ آج افسوس کہ یہ مرض بہت عام ہو گیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے قلبی تعلق کمزور ہو گیا ہے۔ روح کے حواس کمزور پڑ چکے ہیں۔ بہت سے نمازی سنت ادا کرنا زائد از ضرورت خیال کرتے ہیں۔ اس بحث میں الجھتے ہیں کہ فرض ادا کرنا ہی کافی ہے۔ سنت کوئی فرض تو نہیں! اُس رحمت العالمین کی محبت اور غمگساری کا کیا عمدہ صلہ ہے! افسوس صد افسوس۔

روح کے حواس کی بحالی کا شعبہ تزکیہ یا تصوّف ہے۔ ذکر اللہ کے نور سے جب قلب کو بار بار دھویا جائے گا، اس کا زنگ اتارا جائے گا، سیاہی زائل کی جائے گی تو وہ از خود کمالات و برکاتِ رسالت ﷺ سے آشنا ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے یہ نسخہ کیمیا خود عطا فرمایا کہ ہر چیز کو چمکانے کی پالش ہے اور دلوں کی پالش ذکر اللہ ہے (مفہوم) اس شعبہ کے ماہرین مشائخ کہلاتے ہیں، صوفیہ کرام کہلاتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں مجاہدہ کرنا، ذکر و اذکار کرنا دراصل قلب کے حواس بحال کرنے کا عمل ہے۔ جب تزکیہ نصیب ہو جاتا ہے، ذکر دوام نصیب ہوتا ہے تو خود دل چاہتا ہے کہ صرف اطاعت حکم نہیں بلکہ اتباعِ نبوی ﷺ اختیار کیا جائے۔ دل چاہتا ہے کہ محبوب ﷺ کی ہر ایک ادا پر اپنی ہر خواہش قربان کر دی جائے۔ انسان فرض، سنت، واجب، نفل کی گردان کا پابند نہیں رہتا بلکہ وہ منشائے محبوب ﷺ پر جان لٹا دیتا ہے۔

تزکیہ نفس ہی وہ عمل ہے جس سے اپنے حقیقی خیر خواہ، مُربی و محسن ﷺ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اس کے ماہرین، مشائخ اُن برکات کے امین ہیں جو سینہ اطہر ﷺ سے جاری و ساری ہیں۔ ان سے وابستگی تزکیہ کے حصول کا بنیادی ذریعہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ

المرشد

PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان ؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

نومبر 2016ء محرم الحرام/صفر المظفر 1438ھ

جلد نمبر 38 شمارہ نمبر 03

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقی وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
اختتامی بیان سالانہ اجتماع 2016	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	21
اکرم التفاسیر سورہ یونس، 11 تا 12	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	26
سوال و جواب	شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	31
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	41
مساعی جمیلہ	محمد اکرم، لاہور	44
حضرت عائشہؓ کی عمر مبارک۔۔۔	حمید اللہ شاہ ہاشمی، مرزدان	48
Translated Speech	Ameer Muhammed Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

انتخاب جدید پریس لاہور 36309053-042 ناشر: عبدالقدیر اعوان

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور

Ph: 042-35180381
Mob:0303-4409395
Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org

Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

"قرآنِ حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

بنی اسرائیل کی حالت ۔۔۔(سورۃ البقرہ، آیات 83 تا 86)

بنی اسرائیل ہی کی حالت بیان کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ ذرا وہ منظر چشمِ تصوّر کے سامنے لاؤ، جب ہم نے اُن سے عہد لیا تھا کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے، دوسرے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو گے اور تیسرے یہ کہ یتیموں اور مساکین کے ساتھ احسان کرو گے اور چوتھے یہ کہ نوعِ انسانی تمہارے حُسنِ کلام سے مستفید ہوگی اور پانچویں یہ کہ نماز ادا کرو گے اور جو صدقات فرض ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو گے۔ مگر سوائے معدُودے چند لوگوں کے تم ان باتوں سے پھر گئے۔

یہود و نصاریٰ دعویٰ تو اللہ کی عبادت کا کرتے تھے مگر عملاً اپنے علماء اور رہبان جو کہتے کر گزرتے تھے خواہ وہ اللہ کی اطاعت کے خلاف ہی ہوتا۔ ان کی اس حرکت کو اللہ کریم نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔۔۔ کہ اُنہوں نے اللہ کریم کو چھوڑ کر علماءِ سُو اور اپنے بے دین پیروں کو اپنا ربّ بنا لیا ہے۔

یہ دونوں ادارے یعنی علماء اور پیر ہی اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں اور دوسرے لوگ اپنی عملی زندگی میں ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے محتاج۔ مگر جب یہ بگڑتے ہیں تو اللہ کی پناہ! قوموں کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں، جیسے یہود کے علماء نے اور ان کے پیروں نے یہاں تک زیادتی کی کہ اللہ کی کتاب کو بدل کر رکھ لیا۔ انبیاءؑ جو اصلاحِ احوال کے لیے تشریف لائے ان کو قتل کیا۔ حتیٰ کہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ برکات کے اوصاف جو تورات میں مذکور تھے بدلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال سے بھی باز نہ رہے اور یہ قوم آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے دوڑتی رہی جسے اللہ نے سخت ناپسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر ان ہی کی پوجا شروع کر دی حالانکہ یہ لوگ اللہ کی طرف بلاتے تو ان کی اطاعت ضروری تھی مگر جب یہ خود اس راہ سے بھٹکے تو تمہیں چاہیے تھا کہ اُن کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو شخص اپنے نفس اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل میں حدود اللہ کی پرواہ نہیں کرتا وہ بھی غیر اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے جس کے لیے ارشاد ہوا۔ اتخذ الٰھہٗ ھواہ۔۔۔

اداریہ

جمہوری آئینی حق

وطن عزیز میں آجکل حقوق کو حاصل کرنے کے لیے روزانہ جلوس ہوتے ہیں سیاستدان، وکلاء، ڈاکٹر صاحبان اوران کے دیکھا دیکھی ملک کے دیگر طبقات بھی اسی رو میں بہہ رہے ہیں۔ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ہر فرد کو اس کا حق ملنا چاہیے۔ الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں اور اسلام کی نگاہ سے دیکھیں تو بڑا خوبصورت انداز سامنے آتا ہے کہ ہر فرد کی ذمہ داری کسی دوسرے کا حق بنتی ہے۔ مزدور سے لے کر حکمران تک اگر اپنی ذمہ داری نبھائیں تو کسی کو حق مانگنا نہ پڑے، اس لیے اسلام حق دینے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ حق مانگنے کا رواج غیر اسلامی معاشرے کی ایجاد ہے کہ حقدار شور شرابا کر کے حق مانگے، اسلام مانگے بغیر ہر ایک کو اس کا حق پہنچانے کا حکم دیتا ہے۔ مگر خیر ہمیں ابھی تک مغرب کی پیروی کا جنون ہے اور مغرب کی پیروی کو ہی کامیابی کا سبب جانتے ہیں تو اس حوالے سے دیکھا جائے تو کیا حق صرف سیاستدانوں کو حاصل ہے اور کسی کا کوئی حق نہیں؟

جب سڑکیں بلاک کر دی جاتی ہیں تو ان مسافروں کا کوئی جمہوری آئینی حق نہیں؟ بیمار ایمبولینسوں میں دم توڑ دیتے ہیں ان کا کوئی حق نہیں؟ دوکانداروں کا کاروبار رک جاتا ہے ان کو بھی کوئی حق حاصل نہیں؟ خصوصاً وہ مزدور جو روزانہ کی روزی روز کماتے ہیں ان کا اور ان کے افلاس زدہ بچوں کا کوئی جمہوری آئینی حق نہیں؟ یہ کیسی جمہوریت ہے کیسا آئین اور کونسا دستور ہے جو ایک سیاستدان کو سب کے حقوق پامال کرنے کا حق دیتا ہے۔ وکلاء حضرات بڑے احترام سے گزارش ہے کہ فیس وصول کر لیتے ہیں مگر کام کے وقت ہڑتال پہ چلے جاتے ہیں، سائل دھکے کھا رہے ہوتے ہیں عدالتیں ویران پڑی ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر، نرسیں روڈ پر آجاتے ہیں اور مریض کسمپرسی کی حالت میں چھت کو گھورتے ہوئے جانیں دے رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں مغربی ممالک کی مثالیں دی جاتی ہیں وہاں کے وزیر اعظم نے استعفیٰ دے دیا ہمارا کیوں نہیں دیتا، تو کم از کم انہی سے جلوسوں کا سلیقہ بھی سیکھ لیا جائے کہ وہاں تو بڑے سے بڑا جلوس سڑک بند نہیں کرتا جلوس بھی رواں رہتے ہیں اور ٹریفک بھی چلتی رہتی ہے، دوکان بند نہیں ہوتی، کوئی بازار بند نہیں کرایا جاتا کوئی شور نہیں ہوتا لوگوں کو پریشان نہیں کیا جاتا، ہمارے ہاں کی طرح اپنے ہی جلسے اور جلوس میں شریک عورتوں کو پریشان نہیں کیا جاتا ہے، سب ہمارے ہاں ہی کیوں ہوتا ہے؟

اسلام کی راہ تو بہت خوبصورت پرسکون اور باعثِ رحمت باری ہے مگر ہمارا ذوقِ روشن خیالی ہمیں ادھر آنے نہیں دیتا تو چلو اہلِ مغرب ہی سے سیکھ لیں اور خوبصورت اور بہتر انداز اپنائیں۔ یہ دھرنا برصغیر میں جناب گاندھی صاحب نے متعارف کرایا تھا وہ بات بات پر دھرنا دیا کرتے تھے، یہ ہندی کا لفظ بھی اس کام کے لیے انہوں نے اختیار کیا تھا پھر پاکستان کی ایک دینی جماعت نے اسے جوں کا توں اپنا لیا اور اب تو ہر خاص و عام کو یہی طریقہ راس آگیا ہے اور جب چاہو جہاں چاہو دھرنا دے دو، باقی مخلوق کا اللہ وارث وہ جانے اس کی مخلوق جانے۔ ہمیں اس بارے سوچنا ہوگا۔ جسے تکلیف ہے ضرور بیان کرے، جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو ضرور احتجاج کرے مگر اپنا حق مانگنے کے لیے دوسروں کے حقوق پامال نہ کرے۔ کاش ایسا ہو، اللہ کریم کرے ایسا ہو، ورنہ یہ گزارش ہے کہ آپ بھی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

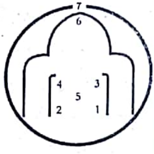

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ **دوسرے لطیفے:** کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہٗ مَن وخاتمہٗ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

میرا راستہ

(منتخب اشعار)

اُٹھو ظلم کو پھر جہاں سے مٹا دو
زمانے کو سنّت نبیؐ کی دِکھا دو
بٹھائے ہیں جو کفر نے بت، گرا دو
بنی نوع انساں کو پھر سے دِکھا دو

امن کا، بھلائی کا رستہ جدا ہے
کہ اسلام ہی بس یہی ایک راہ ہے
مرا راستہ موت کا راستہ ہے
اسی موت میں زندگی کا مزہ ہے

ہے سودی، یہودی نظامِ معیشت
کہ دھوکہ دہی کو کہیں یہ سیاست
غریبوں کا خوں بہہ رہا ہے بہ کثرت
مٹی ہے زمانے سے دین کی ریاست

وہ سیمابؔ دیکھو کدھر چل رہا ہے
اُٹھا لو یہ پرچم کہ گھر جل رہا ہے
مرا راستہ موت کا راستہ ہے
اسی موت میں زندگی کا مزہ ہے

حمد و نعت سے انتخاب

اقوالِ شیخ

1۔ ہر عبادت کے لیے قلب کا خشوع اور خضوع ضروری ہے۔ بغیر خشوع کے کسی عبادت کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں اور خشوع قلب کا فعل ہے۔ جو قلب ذاکر نہیں ہوتا اس میں خشیتِ الٰہی پیدا ہی نہیں ہوتی۔

(کنز الطالبین، ص:33)

2۔ تین باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔ اوّل ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہو۔ دوم حلال اور طیب غذا کا اہتمام کرو۔ سوم نااہلوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔

(کنز الطالبین، ص:35)

3۔ ذکر و معرفت لازم و ملزوم ہیں۔ حصولِ معرفت کا ذریعہ اگر ذکر ہے تو معرفت کا ماحصل بھی ذکر ہے۔

(کنز الطالبین، ص:50)

4۔ جس دور میں کوئی صوفی ہوتا ہے اس زمانے کے لوگوں کے کردار اس کی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ اثرات پھیلتے جاتے ہیں۔ آپ کو زندگی پورے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے بسر کرنی چاہئے۔

(کنز الطالبین، ص:119)

5۔ دراصل تصوّف اس قوت کا نام ہے، اس جذبے کا نام ہے جو مردہ تنوں میں حیاتِ نو پیدا کردے، جو بےعمل کو باعمل بنادے، جو نااہل کو اہلیت عطا کردے، جو دلِ مردہ کو آتش فشاں کا دہانہ بنا کر چھوڑے۔

(کنز الطالبین، ص:120)

6۔ صحابہ کرامؓ کی پوری سوانح پڑھ جایئے ان سے کوئی فضول اور بے مقصد گفتگو نہیں سنیں گے۔ ایک ایک لفظ وہ تول تول کر زبانِ مبارک سے نکالتے۔ حتیٰ کہ ان کے اقوال دین کی بنیاد بن گئے۔

(اکرم التفاسیر، جلد:4، ص:54)

7۔ جب آپ ﷺ کے کمالات کا علم ہوتا ہے تو قلب و جاں آپ ﷺ پر فدا ہوتے ہیں۔ دل آپ ﷺ کے قدموں میں سکون پاتا ہے۔ (اکرم التفاسیر، جلد:4، ص:19)

8۔ غفلت سب سے بڑا جرم ہے، سب سے بڑا گناہ ہے اور سارے گناہ غفلت ہی کرواتی ہے۔ جب اللہ کی یاد بھول جائے، اس کی عظمت دل میں نہ رہے، اس کا خیال نہ رہے تو جرائم ہوتے ہیں۔

(اکرم التفاسیر، جلد:2، ص:51)

28 اگست 2016ء

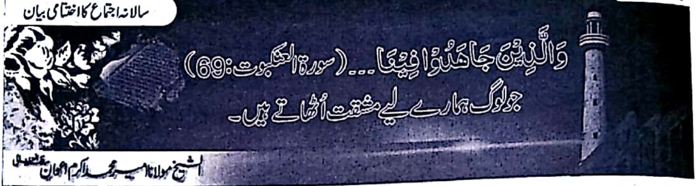

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ط وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت: 69)

ارشادِ باری ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔۔۔ جو لوگ ہمارے لیے مشقت اٹھاتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ فرمائی جَاهَدُوْا ۔۔۔ مشقت اٹھاتے ہیں، محنت کرتے ہیں، مشکلات برداشت کرتے ہیں، اہتمام کرتے ہیں زندگی کے ہر لمحے، ہر کام، ہر موڑ، ہر نشیب و فراز میں اطاعتِ الٰہی، اتباعِ رسالت کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ مجاہدہ کیا ہے؟ مجاہدہ کسے کہتے ہیں؟ یہ مجاہدہ نہیں ہے کہ کسی نے چلّہ لگالیا، کسی نے دس دن محنت کرلی، کسی نے بہت ساری تسبیحات پڑھ لیں، کسی نے ایک ٹانگ پر کھڑے ہوکر سورتیں پڑھ لیں، دریا میں کھڑا ہوگیا یہ مجاہدہ نہیں ہے، مجاہدہ ہے پل پل میں ہر لمحے میں اطاعتِ پیغمبر ﷺ اور دنیا آمنے سامنے ہے، زندگی کے ہر لمحے میں یہ مقابلہ جاری ہے۔ دنیا کا مال و دولت، دنیا کی لذتیں، دنیا کا وقار و اقتدار اپنی طرف کھینچتا ہے۔ آپ نے بھی تجربہ کیا ہوگا میں بھی دیکھتا رہتا ہوں۔ جہاں کسی حکمران کو ناز ہے کہ میرے جیسا کوئی دوسرا نہیں وہاں ہر افسر کے ذہن میں بھی ہے کہ میرے جیسا کوئی دوسرا نہیں، جہاں افسروں کے ذہن میں ہے وہاں ماتحت کے ذہن میں بھی ہے کہ جو کچھ میں ہوں وہ دوسرا نہیں حتیٰ کہ آپ نیچے تک چلے جائیں کمزور ترین لوگ، خاکروب کو لے لیں آپ اس سے بات کرکے دیکھیں وہ کہے گا میرے جیسا دوسرا کوئی خاکروب نہیں ہے۔ جہاں کوئی ہے وہ اپنی انا میں گرفتار ہے۔ ایک زمانے میں مَیں دیکھتا تھا ہمارے یہاں اکثر خانہ بدوشوں کے قافلے آتے جاتے رہتے ہیں تو میں سمجھتا تھا کہ ان کی زندگی بڑے مزے کی ہوگی، ان کی کوئی مشقت ہے نہ محنت ہے۔ صبح اٹھے گاؤں میں گئے گدا کرکے لے آئے، رات دن کا کھانا ہوگیا، موج کی، صبح اٹھے پھر چلے گئے۔ ان میں بیٹھ کر ان کی باتیں سن کر اندازہ ہوا کہ یہ تو ہم سے زیادہ گرفتارِ بلا ہیں، ان کی باتیں سنیں تو ایک خانہ بدوش جھگی والا کہہ رہا تھا کہ میں نے بیٹی کی شادی پر لوگوں کو جلیبیاں کھلائی تھیں کوئی دوسرا کھلائے گا تو دیکھیں گے۔ ایک ان میں خاص طبقہ ہوتا ہے جو بندروں اور ریچھوں کا تماشہ کرتا ہے، تو بڑے بڑے قیمتی ریچھ ہوتے ہیں تو ایک کہہ رہا تھا کہ میں نے بیٹی کی شادی پر داماد کو دو ریچھ دیئے تھے کوئی اور دے گا تو پتا چلے گا۔ میں سمجھا کہ مسئلہ یہاں بھی ویسا ہی ہے۔

قرآن اس بات کو مجاہدہ کہتا ہے کہ یہ رنگینیاں، یہ دلفریبیاں، یہ انانیت اس سب کو ٹھکرا کر دامانِ رسالت کو تھام لو، کیا کرنا ہے، کب کرنا ہے، کیسے کرنا ہے اس میں میری انا نہیں ہے، میں تگڑا نہیں ہوں، میں دوسروں سے اچھا نہیں ہوں۔ مجھے وہ کرنا ہے جو حضور اکرم ﷺ نے بتایا ہے، کیوں کرنا ہے؟ ایسا کیوں کرنا ہے؟ اس لیے کہ اللہ کی رضا کا صرف ایک دروازہ ہے، محمد رسول اللہ ﷺ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ

اللہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: 31)۔۔۔ اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو۔ قرآن کا انداز نرالا انداز ہے، اللہ کا کلام ہے۔ قرآن نے یہ نہیں کہا کہ تم اللہ سے کچھ لینا چاہتے ہو، تم اللہ سے صحت چاہتے ہو، دولت چاہتے ہو، لمبی عمر چاہتے ہو، اولاد چاہتے ہو، مال چاہتے ہو، عہدہ چاہتے ہو فرمایا: اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ۔۔۔ اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو، قرآن نے فرمایا۔ محبت یا پیار ایک ایسا جذبہ ہے جو نفع ونقصان سے بالاتر ہوتا ہے، یہ جن باتوں کو ہم محبت سمجھتے ہیں یہ محبتیں نہیں ہیں یہ سودے بازیاں ہیں۔ ضرورتوں کی تکمیل کے لیے جو ہم کرتے ہیں کہ بڑی محبت ہے، یہ محبت نہیں ہے۔ اغراض کو ہم نے محبتوں کا نام دے دیا ہے۔ سب سے زیادہ محبت تو اولاد سے ہوتی ہے، بندہ محنت کرتا ہے پڑھاتا ہے، لکھاتا ہے جوان ہوتے ہیں، اگر کوئی کما کے نہ لائے تو محبت کہاں جاتی ہے؟ وہی والد ہوتا ہے وہی بیٹا ہوتا ہے کوئی محبت نہیں رہتی۔ محبت ہوتی ہے، وہ اچھا ہے یا بُرا ہے، کام کرتا ہے یا نکما ہے، محبت تو شرطیں نہیں لگاتی۔ تو اگر باپ بیٹے میں یہ حال ہے اور واقعی ہے، تو پھر اور کس کو کس سے محبت ہے؟ محبت بے غرض، بے لوث جذبہ ہے۔ محبت کے لیے جاننا شرط ہے، غائبانہ محبتیں نہیں ہوتیں۔ جس چیز کو جانتے ہیں اس سے محبت کر سکتے ہیں، جس فرد کو جانتے ہیں اس سے محبت کر سکتے ہیں، جس فرد کو جانتے ہی نہیں اس سے محبت کیا ہوگی۔ جس چیز کے نفع ونقصان کا بھی پتا نہیں، جس کی لذت ولطف کا بھی پتا نہیں، جس کے حسن وخوبصورتی سے بھی آگاہ نہیں اس سے کیا محبت ہوگی۔ تو محبت کے لیے جاننا شرط ہے۔ جانیں گے کیسے؟ یہ منصب ہے اللہ کے نبی ﷺ کا کہ جو بھی آپ ﷺ کے دامانِ رحمت میں آئے اسے عظمتِ الٰہی سے آشنا کر دیں۔

آج جو ہمارے روایتی پیر صاحبان ہیں، اللہ کی شان ہے، ان کے باپ دادا اللہ کے بندے تھے، مقبولانِ بارگاہ تھے، لوگوں کو معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی تھی۔ دنیا سے چلے گئے رفتہ رفتہ وہ چیزیں اٹھ گئیں، اُنہی کے مزار شیطان نے لوگوں کے عبادت خانے بنا دیئے، قبروں کو سجدے ہونے لگ گئے۔ نالائق، نااہل اولادیں آ گئیں۔ دولت سمٹنے لگ گئی، قبر فروشی شروع ہو گئی۔ ان کے آباؤ اجداد بارگاہِ رسالت ﷺ کے خادم، فیض یافتہ، پیغام رساں، غلام اور آپ ﷺ کی برکات پہنچانے والے لوگ تھے۔ معرفتِ الٰہی بارگاہِ رسالت ﷺ میں یوں بٹتی تھی کہ جب بھی کوئی ایمان لایا، نبی کریم ﷺ خود حضورِ حق میں کھڑے ہوئے تو اسے بھی حضورِ حق کے لیے کھڑا کر دیا اور وہ بھی اللہ سے مخاطب ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ۔۔۔

کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تُو نے

یہاں سے جب کوئی ذرہ معرفت کا نصیب ہوتا ہے تب جا کر محبت پیدا ہوتی ہے۔ انسان تو کافر بھی ہے، حواس بھی اس کے بحال ہیں، کھاتا پیتا ہے، دنیوی نفع نقصان سارا سوچتا سمجھتا ہے۔ لیکن نورِ ایمان کے بغیر قلب کی آنکھ کھلتی نہیں ہے، اس میں روح نہیں آتی۔ مُردہ کسی کو کیا پہچانے گا؟ پھر صرف زندگی شرط نہیں ہوتی، شرط ہوتی ہے، حیات بھی ہو، قوت بھی ہو، حواس بھی قائم ہوں، صحت بھی ہو۔ یہ ساری باتیں اتباعِ رسالت پناہی سے آتی ہیں۔ صحت بھی، روشنی بھی، علم بھی۔ یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں تو ایک لطیف سا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ میرا مالک مجھ پر کتنا کریم ہے، کتنا مہربان ہے، کتنی بے پناہ نعمتیں مجھے دی ہیں، کتنے احسانات ہیں۔ میں تھا ہی نہیں تو میں مانگتا کیا؟ اس نے مادے سے مجھے ایک اور مادے میں تبدیل کیا، پھر اور، پھر اور، پھر انسان بنا دیا، نقش ونگار بنائے، اعضاء وجوارح بنائے، بینائی اور شنوائی اور حواسِ خمسہ دیئے، ایک عالی شان دماغ عطا فرمایا۔ لحہ لحہ میری حفاظت فرما رہا ہے، مجھے رزق مہیا کر رہا ہے، ہر نعمت عطا کر رہا ہے۔ مل تو سب کو رہی ہیں، پہچانتے وہی ہیں جو بارگاہِ رسالت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ وابستگی جب آنکھ وا کرتی ہے تو عظمت وجلالتِ الٰہی، حسن وجمالِ الٰہی، کرم واحسان جمالِ الٰہی کی ہر بندے کو اپنی حیثیت کے مطابق خبر ہوتی ہے۔ جب اس بات کی خبر ہوتی ہے تو اس کے دل میں ایک لطیف سا

جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ محبت کے، لائق تو اللہ کی ذات ہے، پھر اس میں ایک طلب پیدا ہوتی ہے۔ محبت وصال چاہتی ہے، محبوب کو روبرو دیکھنا چاہتی ہے، محبوب سے ہم کلام ہونا چاہتی ہے، محبوب میں فنا ہونا چاہتی ہے۔ انسان دارِ دنیا میں ہے ہر کام دنیا کا جو شریعت سے باہر ہے وہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ہے، کوئی بڑا پردہ ہے، کوئی زیادہ موٹا ہے کوئی کم موٹا ہے لیکن ساری تاریکی ہے۔

جَاهَدُوْا کیا ہے؟ جہاد کیا ہے؟ مجاہدہ کیا ہے؟ مشقت کیا ہے؟ فرمایا پرواہ نہیں کرتے، اس پردے کو ہٹانے سے ہاتھ زخمی ہو جائے گا، گر کر سر میں لگ جائے، اس سے مالی نقصان ہو جائے گا اس سے لوگ طعنے دیں گے، یہ سارے حجابات ہیں۔ فرمایا، جنہیں مجھ سے پیار ہو جاتا ہے وہ ان چیزوں کی پرواہ نہیں کرتے، جو ہوتا ہے ہوتا رہے، مقصد پہ نگاہ رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ حصولِ لذت کے لیے کوشش کرتے ہیں، حصولِ آسائش کے لیے بھی کوشش کرتے ہیں، آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں، محفلِ مجلس سے بات کے لیے محنت کرتے ہیں۔ فرمایا: جب کوئی ذرۂ معرفت دل میں آتا ہے تو ساری باتیں بھول جاتے ہیں پھر فِيْنَا۔۔۔ میری ذات کو پانے کے لیے تمنا کرتے ہیں، آرام ملے نہ ملے، صحت رہے نہ رہے، دولت ہو نہ ہو، اقتدار ملے نہ ملے، اللہ مل جائے۔

دیکھیں! ہر کلام متکلم کا اثر لیے ہوئے ہوتا ہے، کلام کرنے والے کا کلام میں اثر ہوتا ہے۔ کوئی غضبناک ہو کر سخت جملہ کہتا ہے ہمارے سینے میں تیر کی طرح لگتا ہے، ہم لال بھبوکا ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی گردن اڑا دینی چاہیے۔ چند الفاظ اور چند حروف ہی تھے لیکن ان میں ایک کیفیت تھی جو دل میں اتر گئی، اس نے بھڑکا دیا۔ ایک بندہ کوئی اچھی خبر دیتا ہے ہم خوش ہو جاتے ہیں، چہرے پہ بشاشت آجاتی ہے، آنکھوں میں چمک آجاتی ہے، ہونٹوں پہ مسکراہٹ آجاتی ہے۔ اس نے بھی چند الفاظ کہے تھے ان چند الفاظ کی کیفیت الگ تھی اس کی کیفیت الگ ہے۔ وہی حروفِ تہجی ہیں الف، ب، ج، د۔ وہی الفاظ ہیں جو ہم روز مرہ استعمال کرتے ہیں، کوئی شاعر انہیں مصرعے میں یا شعر میں ڈھال دیتا ہے ہم عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ایک کیفیت آجاتی ہے۔ ہر آدمی خط لکھتا ہے، مضمون لکھتا ہے۔ غالب نے جو خطوط لکھے وہ اب بھی ادبی سرمایہ ہیں۔ لوگ آج تک پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ باتیں اس کی اپنی ہیں، ضرورتیں اس کی اپنی ہیں۔ بات اس نے اپنی کی کہ یہ چاہیے یہ نہیں چاہیے لیکن ایسے حسین اور خوبصورت انداز میں لکھی کہ آج بھی پڑھیں تو بندہ عش عش کر اٹھتا ہے۔ بندے کے کلام میں متکلم کا اثر ہے تو کلامِ الٰہی میں کتنا ہونا چاہیے؟ مخلوق کے کلام میں اگر اثر ہے، ایک پرندہ چہچہاتا ہے تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے، وہی پرندہ ہے، کوا کائیں کائیں کرتا ہے تو طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔ کتنا اثر ہے اس کی آواز میں۔ تو کہاں ذاتِ باری! جب وہ ارشاد فرماتا ہے تو پرتَو جمال تو ہوگا۔ ہم تو سارا قرآن پڑھ جاتے ہیں پتا ہی نہیں چلتا، کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔ دنیوی باتوں کو محسوس کرنے کی استعداد ہر انسان میں ہے وہ مومن ہے یا کافر۔ جمالِ باری کا کوئی ذرہ پانے کے لیے بارگاہِ رسالت سے استعداد لینا پڑتی ہے۔ کوئی صحابیؓ سے پوچھے کہ قرآن کی آیات میں تاثیر تھی، کوئی تابعینؒ تبع تابعینؒ سے پوچھے، کوئی اللہ کے مقرب بندوں سے پوچھے کہ کتنی کیفیات ہیں۔ ان نعمتوں کا کوئی ذرہ سامنے آئے، آنکھ وا ہو، روح کی صحت درست ہو، کچھ سامنے نظر آئے تو پھر محبت ہو اور محبت ہو تو پھر مجاہدہ کرے، پھر دنیا کی کوئی رکاوٹ اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔

منافقین نے دھوکہ کیا کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی ہمیں کچھ لوگ تبلیغ کے لیے دے دیجیے۔ لمبا واقعہ ہے میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ جو حضرات حضور ﷺ نے بھیجے انہیں شہید کر دیا گیا، کچھ قید کر دیئے گئے۔ اس میں سے ایک چھوٹی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک کافر نے نیزہ مارا ایک صحابیؓ کو، اور ان کے سینے سے لگا پشت سے نکل گیا۔ ان کے منہ سے نکل گیا فزت ورب الکعبہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، میں جیت گیا، میں نے اپنی منزل پالی۔ عرب بڑی سیدھی سیدھی قوم تھے اور ہیں۔ آج بھی بے تکلف اور سیدھی بات کرتے ہیں۔ جس بات کو مانتے ہیں واقعی مانتے ہیں جس کو نہیں مانتے انکار

کر دیتے ہیں۔ ہماری طرح نہیں ہیں کہ سامنے مان لیا پھر کہا کہ یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے، ایسا نہیں کہتے۔ اب جو بندہ اُس وقت مشرک تھا، دشمن تھا دین کا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابیؓ کو شہید کر دیا لیکن اُن کی بات اس کے دل میں پیوست ہوگئی۔ کہنے لگا عرب ربِ کعبہ کی جھوٹی قسم نہیں کھاتے تھے،خواہ کافر تھے یا مشرک پھر مرتے وقت کون جھوٹ بولتا ہے! اس نے کہا عجیب بات ہے! میں نے نیزہ مارا جو سینے سے گذر کر پشت سے نکل گیا، وہ کہتا ہے ربِ کعبہ کی قسم میں جیت گیا، یہ کیا فلسفہ ہے؟ یہ کیسے جیت گیا؟ اس نے ہتھیار پھینکے اور بے خطر مدینہ منورہ کو چل پڑا۔ ساتھیوں نے کہا ہوگا کہ ہم نے ظلم کیا ہے جاؤ گے، تو مارے جاؤ گے، قتل ہو جاؤ گے۔ اس نے کہا یہ جو بات ہے اس کا پتا وہیں چلے گا، یہ میری سمجھ میں نہیں آتی میں سمجھا میں جیت گیا، میں نے اسے قتل کر دیا۔ وہ ربِ کعبہ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے میں جیت گیا، یہ کیا بات ہوئی؟ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا آپ ﷺ کے ارشادات سنے، ایمان سے سرفراز ہوا۔ حضور ﷺ گردنیں نہیں مارا کرتے تھے، کفر سے پاک کر کے ایمان عطا کیا کرتے تھے۔ کہنے لگا اب سمجھ آئی کہ موت وحیات کامیابی نہیں، اللہ کو پالینا کامیابی ہے۔ مال ودولت، صحت وبیماری، زندگی اور موت سب تماشے ہیں، کامیابی اللہ کی رضا کو، اس کی خوشنودی کو پالینا ہے۔

تو یہاں یہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔۔۔ جو ہمارے لیے مشقتیں اٹھاتے ہیں، محنت کرتے ہیں، بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں، راتوں کو جاگتے ہیں، آسائشیں چھوڑ کر مشکل راہ پر چلتے ہیں، جنہیں دنیا کی لالچ میری راہ سے بھٹکا نہیں سکتی، وہ اقتدار تو چھوڑ سکتے ہیں میری طلب سے دستبردار نہیں ہوتے، جو دولت تو ٹھکرا سکتے ہیں لیکن میری راہ سے دستبردار نہیں ہوتے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا (العنکبوت:69) جو لوگ میری راہ میں مشقت اٹھاتے ہیں۔ ارے بھائی! ہمیں تو شکوہ ہی رہتا ہے، شکایت ہی رہتی ہے، یہ نہیں ہوا، وہ نہیں ہوا، یہ ہوگیا، وہ ہوگیا۔ ٹھیک ہے ہماری ضرورتیں ہیں ہم محتاج ہیں، ہمیں ان کی تکمیل بھی چاہئے لیکن کیا ضرورتیں پوری کرنے والا ہمارے پاس موجود نہیں ہے؟ تو پھر اس سے بات کرو، اس کی بارگاہ میں عرض کرو کہ اللہ میں کمزور ہوں، میری اس تکلیف کو راحت سے بدل دے۔ لیکن نہیں، ہمیں یہ ساری تکلیفیں یاد رہتی ہیں۔ حسرت ہوتی ہے کہ کوئی یہ بھی کہے کہ اللہ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ چالیس، پچاس، ساٹھ ساٹھ، پچیس، تیس تو عام ہیں، روزانہ کی ای میل جو آتی ہیں، سب دنیا کی دعائیں ہوتی ہیں۔ اب دعا کا جواب کیا ہے؟ جو لکھتا ہے میں بھی اللہ سے دعا کر دیتا ہوں اللہ اس کی دعا سُن لے، اللہ جانے اس کی مخلوق جانے، تو اس کا جواب کیا لکھنا؟ ویسے رواج ہے، دعا کے لیے جب لکھتے ہیں اور اگر خط پوسٹ کریں تو اس میں واپسی کا لفافہ ہوتا ہے۔ بھئی! اس میں دعا بند کر کے بھیجنی ہے؟ خواہ مخواہ پیسے ضائع کرتے ہو۔ میرا بھی وقت ضائع کرتے ہو، دعا تو دل سے اُٹھتی ہے اللہ کریم سن لیتے ہیں۔ یہ حسرت رہتی ہے کہ کوئی یہ بھی لکھتا کہ آج فلاں لطیفہ صحیح نہیں ہوا، آج میری تہجد رہ گئی، کل میں نے کوئی غلط چیز کھالی تھی، پرسوں میں نے کسی کو گالی دے دی تھی کیا کروں؟ کوئی نہیں لکھتا۔ کسی کو یہ اندیشہ بھی ہوتا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کے لیے مجھے توجہ چاہئے، اس کے لیے مجھ دعا چاہئے، اس کے لیے مجھے اللہ کی مہربانی چاہیے، تو بھئی! ہم تو دین بھی دنیا کے لیے ہی اپنائے ہوئے ہیں۔ محراب ومنبر کو ہم نے دُکان سمجھ لیا ہے، دولت کما رہے ہیں، لوگوں سے گھٹنے اور پاؤں کو بوسے دلوا رہے ہیں، پیسے جمع کر رہے ہیں۔ قرآن بڑا سیدھا معاملہ رکھتا ہے فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔۔۔ میری طلب میں جو تڑپتے ہیں، دنیا کا ہر دکھ سہہ جاتے ہیں۔ ارے بھئی! پھر شکایت کس بات کی، جب پہلے بتایا جا رہا ہے کہ اِدھر آؤ گے تو دنیا دکھ دے گی، دنیا مخالفت کرے گی، دنیا نقصان دینے کی کوشش کرے گی، امتحان ہی یہی ہے۔ ہمیں کہا جاتا ہے دنیا مردار ہے، دنیا بڑی فلاں ہے، فلاں ہے۔ یہ فضول بات ہے، دنیا بڑی خوبصورت ہے، دنیا بڑی لذیز ہے، دنیا بڑی حسین ہے۔ دنیا میں اتنی لذتیں ہیں کہ اللہ کریم نے اسے اپنے مقابلے میں رکھ دیا ہے۔

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

یہ دنیا وہ شمع ہے جو جمالِ باری کے سامنے کھڑی ہے۔ ہم پروانے ہیں۔ اُدھر نثار ہوتے ہیں یا اِدھر قربان ہوتے ہیں۔ دنیا معمولی چیز نہیں ہے یہ بڑی لذیز، بڑی پُرآسائش، بڑی خوبصورت ہے تو بھئی! شکایت کیسی؟ کہ جب بتایا جارہا ہے کہ جب میری طرف بڑھو گے تو یہ مجاہدہ ہوگا، مشقت ہوگی، محنت ہوگی، رکاوٹیں آئیں گی، دکھ، جہاد کرنا پڑے گا، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا۔۔۔ شمشیر بکف ہونا پڑے گا، سینہ سپر ہونا پڑے گا؟ تو بات تو پہلے بتائی جارہی ہے پھر شکایت کس بات کی؟ اور یہ سارا مجاہدہ کس لیے ہوگا؟ فرمایا: فِيْنَا۔۔۔ مجھے پانے کے لیے، وصالِ الٰہی کے لیے، جمالِ الٰہی کے لیے۔ جب موت آتی ہے تو نگاہ بدل جاتی ہے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق:22)۔۔۔ ہم نے تمہاری نگاہوں سے پردے اور حجابات ہٹا دیئے اور تمہاری نظروں کو فولادی کر دیا ہے۔ جب دنیا سے یکسو ہو کر موت کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو کافر کو بھی مرنے سے پہلے ہی فرشتے نظر آجاتے ہیں۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ اس سے پوچھتے ہیں فِيْمَا كُنْتُمْ (الحج:69)۔۔۔ اتنا عرصہ تجھے اللہ نے مہلت دی، کتابیں اتاریں، انبیاءؑ بھیجے۔ فِيْمَا كُنْتُمْ۔۔۔ کہاں عمر برباد کی تُو نے، کہاں کہاں جھک مارتا رہا۔ تو ابھی کافر انسان زندہ ہوتا ہے، روح قبض کرنے سے پہلے بات ہو رہی ہوتی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں اس کی نظر ٹک گئی ہے ایک جگہ پہ، ایک جگہ نہیں اس کی بات ہو رہی ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ (النساء:97) ہم تو عام لوگ تھے، کمزور لوگ تھے جدھر بڑے لوگوں نے، قیادت نے چلایا، اُدھر چلتے رہے۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً۔۔۔ تو فرشتے کہتے ہیں اللہ کی زمیں وسیع نہیں تھی؟ جہاں قیادت بے دین تھی، بدکار تھی، جہاں قانون خراب تھے، اللہ کے حکم کے خلاف تھے وہ چھوڑ دیتے۔ اب تو ساری دنیا چھوڑ رہے ہو، بدکاروں کی صحبت چھوڑ دیتے، نیکوں میں چلے جاتے، جہاں اچھے لوگ ہیں وہاں چلے جاتے۔ آخر آج ساری دنیا چھوڑ رہے ہو، دین کے لیے ہجرت کر لیتے۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ۔۔۔ تم بُری جگہ، بُرا ماحول، بُرے دستور، بُرا رواج، بُرا معاشرہ چھوڑ کر اچھے لوگوں میں کیوں نہیں چلے گئے؟ تو یہ ساری رکاوٹیں تو آتی ہیں جب اللہ کی دی ہوئی توفیق سے، اپنی پسند سے، ہم اللہ کے نبی ﷺ پر اعتبار کرتے ہیں۔ ایمان اعتبار کا نام ہے، اعلیٰ ترین یقین کو ایمان کہتے ہیں کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ سچ ہے۔ اس پر جب کامل یقین ہوجائے، پورا اعتبار، پورا بھروسہ ہو تو اسے ایمان کہتے ہیں۔ اللہ فرمارہا ہے کہ اِدھر آؤ گے تو کچھ تو ہوگا جَاهَدُوْا فِيْنَا۔۔۔ میری راہ میں جہاد کرنا پڑے گا، مجاہدہ کرنا پڑے گا، محنت کرنی پڑے گی، استقامت دکھانا پڑے گی۔ بہت سی لذتیں قربان ہوجائیں گی، بہت سے مفادات قربان ہوجائیں گے، بظاہر دنیاوی نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے، بیماریاں گزارنی پڑیں گی، دکھ تکلیفیں آئیں گی۔ لیکن لذتِ آشنائی عجیب چیز ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجیب شے ہے لذتِ آشنائی

جب لذت نصیب ہوجاتی ہے پھر دنیا تو دنیا، جنت کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہتی، آخرت بھی بھول جاتا ہے، آگے آگے اور آگے۔ اس لیے تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومنین کو میدانِ حشر میں جمالِ الٰہی کی زیارت ہوگی۔ صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ پاک کروڑوں رحمتیں کرے صحابہ کرامؓ پر بڑے احسانات ہیں اُمت پر ان کے ہر بات کی تشریح چاہی، رسول اللہ ﷺ سے چھوٹے چھوٹے مسائل پوچھ کر پوری اُمت کے لیے راہنمائی کر گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیسے دیکھیں گے؟ فرمایا جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو، بھئی! جب اللہ کے روبرو پہنچ گئے، جمالِ الٰہی نصیب ہوگیا تو پھر اور کیا چاہیے۔ جنتیں اسی کا مظہر ہیں۔ اسی کی رضا کی سند ہیں، جنت بجائے خود تو مخلوق ہے، اللہ تو نہیں ہے، غیر اللہ ہے، غیر اللہ کی طلب کیسی؟ وہ رضائے الٰہی

کی سند ہے اس لیے مطلوب ہے، دلیل ہے اللہ کی رضا مندی کی۔ جنت کی قیمت یہ ہے، اور جنت کی سب سے اعلیٰ نعمت یہ ہوگی کی جنتیوں کو ذاتِ باری کا دیدار ہوگا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا۔۔۔ جو ہمیں پانے کے لیے ہمارے لیے مشقت اٹھاتے ہیں۔ یا اللہ، بے چارے تکلیف میں مبتلا ہوئے، مفادات چھوڑے، مشکل راستہ اپنایا تو ان کے ساتھ آپ کیا کرتے ہو فرمایا: لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: 69) ہم ایک نہیں، کئی دروازے اپنی بارگاہ کے ان کے لیے کھول دیتے ہیں، اپنی راہیں ان پر واضح کر دیتے ہیں، اپنے راستے انہیں دکھا دیتے ہیں، ان پر چلنا آسان کر دیتے ہیں۔ علمائے حق فرماتے ہیں اس آیۂ مبارکہ میں: لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔۔۔ اپنے راستے دکھا دیتے ہیں سے مراد یہ ہے کہ ان طالبوں کو اللہ ایسے لوگوں کی مجلس میں لے جاتا ہے جو اس کی بارگاہِ الوہیت تک راہنمائی کرتے ہیں۔ مفسرین کرام نے جو اس آیت کریمہ کی شرح فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کریم کیسے راستے کھول دیتے ہیں فرمایا: ایسے لوگوں کے پاس لے جاتے ہیں جو واقعی ظاہراً باطناً، جسیاً بدنی معنویاً روحانی طور پر ان کی راہنمائی کر کے انہیں صراطِ مستقیم پہ چلاتے ہیں۔

تو میرے بھائی! پیری مریدی کا جو تصور ہے یہ اس کی بنیاد ہے۔ پیر وہ لوگ ہوتے تھے جنہوں نے بارگاہِ رسالت سے یہ نعمت پائی اور آگے اللہ کی راہ پر لوگوں کو چلانے کا سبب بنے۔ انہیں علم بھی دیتے تھے اور جذبہ بھی دیتے تھے۔ معلومات تو شاید ہر کوئی دے سکتا ہے، جذبہ کوئی نہیں دے سکتا یہ صرف حق کی راہ پر ہے، احساسات بھی دے دیتے ہیں۔ مرورِ زمانہ سے، وقت کی رفتار سے

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
وہ دکاں اپنی بڑھا گئے

دکانیں بند ہو گئیں، دوا فروش دنیا سے رخصت ہو گئے اور اللہ کی شان اُنہی کے مزاروں پر دنیادار بیٹھ گئے۔ جہاں کبھی محبت الٰہی بٹا کرتی تھی وہاں اب دنیا کے بکھیڑے اور دولت دنیا کا راج ہے۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

یہ دارِ دنیا ہے۔ جہاں کبھی شاہین بسا کرتے تھے وہ گھونسلے، وہ نشیمن کوؤں کے قبضے میں آ گئے ہیں، کہیں سے ہڈی اٹھا لاتے ہیں کہیں سے ٹکڑا اٹھا لاتے ہیں۔ اس انحطاط کے دور میں، اس مشکل وقت میں، مجھے آپ کا نہیں پتا میں اپنے آپ کو جانتا ہوں۔ اللہ نے جتنی زندگی مجھے دی ہے، ہمارا معاشرہ، ہماری زندگی ہمارا اسلوب حیات یہ تھا کہ ہم کب کے یا تو پھانسی لگ چکے ہوتے یا قتل ہو چکے ہوتے یا کتنی جانیں ہم لے چکے ہوتے۔ یہ ہمارا ماحول، معاشرہ اور زندگی تھی۔ یہ اس کا احسان ہے کہ مجھے دوا فروش کا دامن نصیب ہوا۔ کیا خوب کہا تھا کسی نے

صد ہزاراں جان بر قدمت فدا
کہ رسانیدی حضور مصطفیٰؐ

لاکھوں جانیں ہوں تیرے قدموں پہ نچھاور کر دوں تُو نے مجھے بارگاہِ رسالتؐ سے آشنا کر دیا۔

یہ جو ہم شیخ بنے بیٹھے ہیں بزرگ بنے بیٹھے ہیں، پارسا بنے بیٹھے ہیں، ہم کیا تھے اور کیا ہیں ہم؟ کچھ بھی نہیں۔ اتنی سی بات ہے۔ اگرچہ یہ دکانیں بند ہو چکی تھیں لیکن اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں ایک دوا فروش مل گیا اور یہ اس کا احسان ہے کہ جب سے دامن تھاما ہے الحمدللہ! پھر چھوٹا نہیں ہے اور ان شاء اللہ چھوٹے گا بھی نہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق کچھ اندازہ ہوا محبت کیا ہوتی ہے، کیوں کی جاتی ہے، کہاں کی جاتی ہے؟ الا اللہ!

میرے بھائی! ہمارے ہاں ایک بڑا اچھا رواج ہو گیا ہے۔ ہمارے علماء اور پیر صاحبان نے بنایا تو ہے، رواج ہے لیکن اچھا ہے۔ کوئی اجتماع ہو، اگر اجتماع پر آ سکتے ہو یا نہیں، لیکن دعا پر ضرور آنا۔ گیارہویں شریف ہے دعا پر ضرور آنا، عرس ہے تین دن رہے گا سات دن رہے گا اگر وقت نہیں ہے تو آخری دن دعا پر ضرور آنا۔ لوگ بیچارے دعا پر جمع ہو جاتے ہیں، ہمارے حضرات نے بڑے جذباتی جملے، فقرے جمع کیے ہوئے ہوتے ہیں، اس کا فلاں کام بھی کر دے، فلاں کا فلاں کام بھی کر دے، فلاں کی بیماری، فلاں کا قرضہ، فلاں کا فلاں کا۔۔۔ آدھا

گھنٹہ مسجع مقفٰی دعا کی جاتی ہے، رونے کی ایکٹنگ کی جاتی ہے، لوگ بھی روتے ہیں۔ بڑا شور ہوتا ہے کہ جی فلانی جگہ بڑی رو رو کے دعا کی۔ میرے بھائی! نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے، حاصل ہے عبادت کا۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (رواہ الترمذی) اوکما قال رسول اللہ ﷺ۔ لیکن دعا کا سلیقہ کیا ہے؟ جو تیرے بس میں ہے وہ کر، جہاں تیرا اختیار ختم ہوتا ہے وہاں مجھے پکار۔ تُو بیمار ہے جو دوا میسر ہے وہ کھا اور دعا کر اللہ مجھے شفا دے دے۔ کرے کچھ بھی نہیں تو صرف دعا پہ آجائے۔ میں تو کہتا ہوں دعا نے بھی تو کچھ کرنا ہے، چلو چند لمحے اللہ کا نام تو لے لیتے ہیں۔ لیکن یہ راستہ مزیدار ہے کہ کچھ کر کے دعا کرو، کچھ دن لگاؤ کچھ محنت کرو کچھ سیکھو، کچھ مجاہدہ کرو پھر دعا بھی کرو کہ یا اللہ اگر تُو نے عطا کیا ہے تو تُو اسے دوام دے، تُو نے شروع کرائی ہے تو اس میں کمال دے، اسے میرے گناہوں کی بخشش کا سبب بنا۔ اگر ایسا کر کے دیکھیں گے تو پھر اس دعا اور اُس دعا میں کیا فرق ہے، پتا چلے گا۔ اچھی بات ہے بندہ کم از کم دعا کے لیے، چند لمحے تو آجاتا ہے۔۔ یہ بھی اچھا ہے لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ وہ نعمت کے حصول کے لیے مجاہدہ بھی کرے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔۔۔ کچھ مشقت بھی اٹھائے، کچھ تلاش بھی کرے، کچھ پائے بھی، پھر دعا بھی کرے۔ نورٌ علیٰ نور ہو جائے۔ اللہ اللہ! یہ باتیں لمبی ہیں، یہ ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ زندگی کا قصہ ہے یہ جلدی ختم نہیں ہوتا۔

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

میں ایک بات ذمہ داران، قائم مقام صاحب مجازان اور صاحب مجازان سے عرض کرنا چاہتا ہوں، آپ جن لوگوں کی تربیت کرتے ہیں اس کا انداز سیکھ لیجیے۔ حضرتؒ کو مجددِ تصوّف کہا جاتا ہے کیوں؟ مجدّد دین کی تجدید کرتا ہے، کیا کوئی نیا دین بناتا ہے؟ نہیں۔ راہ چلتے چلتے کوئی رسومات یا رواجات دین میں شامل ہو جاتے ہیں، انہیں کاٹ چھانٹ کر، الگ کر کے، ختم کر دے تو اُسے مجدّد کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر صدی کے آخر پر ایک مجدّد ہوتا ہے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح فرمایا کرتے تھے کہ ایک فردِ واحد مجدّد نہیں ہوتا۔ مجدّد ایک جماعت ہوتی ہے جس میں ہر شعبۂ حیات کے لوگ ہوتے ہیں اور وہ ہر شعبۂ حیات میں اصلاح کرتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مجددِ طریقت کہا جاتا ہے کیونکہ بہت سے رواجات جو تصوف میں غیر ضروری آگئے تھے، حضرتؒ نے کانٹ چھانٹ کر، خالص تصوف سامنے کر دیا۔

ان رواجات میں ایک رواج تھا، مراقبہ تھا، تصورِ شیخ۔ ذکر کے بعد قلب پر دھیان کر کے، شیخ کا تصور کرو، جب یہ راسخ ہو جائے، جب شیخ کی تصویر نظر آئے تو پھر آگے چلاتے تھے کہ اب شیخ کے بجائے یہاں اللہ کا نور دیکھو، روشنی دیکھو، لطیفہ قلب کے انوارات دیکھو۔ حضرتؒ نے اسے کاٹ دیا۔ فرمایا: یہ کوئی بات نہیں ہے کہ بندہ یہیں پھنس کر رہ جائے، ساری عمر یہی شرک کرتا رہے۔ کوئی ضرورت نہیں۔ اب آپ کے تربیت یافتہ، مجھ سے پوچھتے ہیں کہ جی! اس مراقبے میں کیا تصوّر کرنا ہے۔ ارے بھائی! تصور سے تو ہم جان چھڑا بیٹھے، یہ پھر آپ کو تصور کا کس نے بتا دیا؟ میں یہ کمزوری ذمہ دار حضرات پر ڈالتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اسے کہا ہے کہ یہاں بیٹھ کر یہ تصور کرو۔ بھائی! تصور ہمارے ہاں نہیں ہے۔ یہاں ہے کیا؟ یہاں حقیقت ہے۔ ایک شخص لطائف کرتا ہے، جب تک لطائف کا ادراک اسے نہیں ہوتا اسے مراقبۂ احدیت نہ کرایا جائے، رابطہ نہ کرایا جائے۔ ہم نے برسوں لطائف کیے ہیں، تین سال تو میں نے بھی کیے ہیں۔ میرے سامنے لوگ آتے تھے۔ ایک ہفتے کے لیے آتے تھے، ایک ہفتے میں لطائف بھی، مراقبات بھی، فنا بقا بھی، فنا فی الرسول کر کے چلے جاتے۔ ہم لطائف پر لگے رہتے تھے کیوں؟ جب تک بندے کو خود یہ تسلی نہ ہو کہ یہ نعمت میرے پاس ہے اُسے آگے چلانے کا کیا فائدہ؟ بندے کو یہ کیسے پتا چلتا ہے؟ یہ خوب اچھی طرح سمجھ لو! بندے کو یا کشف ہوتا ہے یا وجدان۔ کشف مشاہدہ ہوتا ہے، اللہ پردہ ہٹا دیتا ہے اسے لطائف کے انوارات نظر آتے ہیں تو

پھر سمجھ آجاتی ہے کہ یہ پہلا لطیفہ ہے۔ وجدان کہتے ہیں اللہ کی طرف سے اطلاع کو، اُس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا الہام یا القاء۔ دل میں بات آجاتی ہے اور اتنی مضبوط آجاتی ہے کہ بندے کو اس پر یقین ہو جاتا ہے اور وجدان کشف کی نسبت مضبوط ہوتا ہے۔ تو اس میں الہام یا القاء دونوں صورتوں کا مفہوم ایک ہی ہے کہ بات اللہ کی طرف سے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ جب وہ دل میں اللہ کی طرف سے آتی ہے پھر وہ اتنی پُریقین ہوتی ہے کہ بندہ اس پر جم جاتا ہے۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (القصص:7)۔۔۔ موسیٰؑ کی والدہ کو الہام ہوا، القاء ہوا۔ وحی تشریعی جو ہے وہ تو انبیاءؑ کو ہی ہوتی ہے۔ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی تو پھر یہ وحی اصطلاحی ہے، اس کو اصطلاح میں وحی کہتے ہیں۔ وحی تشریعی وہ ہوتی ہے جو شریعت کی وضاحت کرتی ہے جو صرف انبیاءؑ کا خاصہ ہے۔ موسیٰؑ کی والدہ کو الہام ہوا یا القاء ہوا، کیا ہوا کہ ابھی ابھی جو بیٹا پیدا ہوا ہے اسے لپیٹ کر فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ (القصص:7)۔۔۔ موجوں کے سپرد کر دو۔ یہ کیا عجیب بات ہے ماں کے لیے، نومولود پھر نومولود کوئی عام بچہ نہ ہو، اولوالعزم رسولؑ ہو۔ کیا درخشندہ پیشانی ہوگی اس کی، کیا نور ہوگا اس کے چہرے پر، کیا کشش ہوگی اس چھوٹے سے، ننھے سے وجود میں محبت و پیار کی، جس نے کلیم اللہ بننا ہے۔ فرمایا: موجوں کے فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ۔۔۔ سپرد کر دو۔ یہ القاء و الہام کی قوت تھی کہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ فرمایا: پھینک تو دیا پھر پایۂ استقامت میں لغزش آنے کو تھی کہ پھر خیال آیا یہ میں نے کیا کر دیا۔ اللہ نے اُن کے دل سے رابطہ کیا۔ وَرَبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (القصص:10)۔۔۔ نہیں، نہیں، اب لغزش نہیں آنی چاہیے۔

لطائف کا ادراک ہو، بندے کو کشف ہو، نظر آئے۔ نہ ہو تو القاء ہو، ادراک ہو۔ اُسے یقین ہو کہ میرے لطائف ہیں پھر اسے رابطہ کرائیں۔ احدیت، معیت، اقربیت، مراقبات ثلاثہ کرائیں لیکن ایسے کرائیں کہ خود اُسے بھی یقین ہو کہ یہ مراقبہ ہے، یہ کیفیت میرے پاس ہے یا اُسے مشاہدہ ہو جائے یا وجدان ہو جائے۔ آپ اسے سیر کعبہ کرائیں، آپ اسے فنافی الرسول ﷺ کرائیں لیکن جب تک خود اس کا دل تسلیم نہ کرے آپ مسلط نہ کریں کہ آپ کو فنافی الرسول ﷺ ہو گیا۔ یہاں آپ کو غلطی لگتی ہے، غلطی یہ لگتی ہے کہ آپ کوشش کرتے ہیں کہ میں اس کی روح کو لے جاؤں اور آپ روح کو لے جاتے ہیں لیکن وہ روح کا مقام نہیں ہوتا، جب آپ کی توجہ ختم ہوتی ہے وہ اپنے مقام پر آجاتی ہے۔ وہ خود خیال کرے، اس کی روح وہاں پہنچے اور اسے یقین ہو کہ میری روح پہنچی ہے، تب بات ہے۔ حضرتؒ کے زمانے میں تو یہ باتیں بہت ہوتی تھیں ہماری تو یہ جرأت نہیں پڑتی، ہم حوصلہ نہیں کرتے۔ ایک مزار تھا ہم گزر رہے تھے تو حضرت جیؒ نے قاضی صاحب سے کہا قاضی صاحب دیکھو! مزار والے کا کیا حال ہے، باہر تو بڑی رونقیں ہیں؟ قاضی صاحب نے مراقبہ کیا تو فرمانے لگے بڑا نور ہے۔ حضرتؒ مسکرائے اور فرمانے لگے، قاضی صاحب! اندر تو دوزخ بھڑک رہا ہے اور سیاہ تاریکی ہے اور جہنم کی سیاہ آگ ہے۔ آپ اپنے انوارات دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ قبر میں بڑا نور ہے۔ جو آپ کو نور نظر آرہا ہے یہ آپ کی روح کے ساتھ آپ کے مراقبات کا نور ہے، جسے آپ سمجھ رہے ہیں، قبر میں تو تاریکی ہے۔ آپ صاحب مجاز، کسی کو کہتے ہیں چلو بارگاہِ رسالت ﷺ میں اور اس کی روح کو کھینچ کر لے جاتے ہیں تو یہ اور بات ہے۔ اس سے مراقبات نہیں ہوتے، مراقبہ اس شخص کا ہے جو خود خیال کرے اور اس کی روح بارگاہِ رسالت ﷺ میں ہو۔ آپ زیادتی یہ کرتے ہیں کہ یہاں روحانی بیعت کے لیے بھیجتے ہیں، ساتھ ایک آپ کا خط ہوتا ہے، درست ہے آپ نے اطلاع کر دی پھر فون پہ فون آتا ہے اس کی بیعت ضرور کراؤ۔ بھئی! یہ آپ کی اَنا کا مسئلہ کب سے بن گیا، آپ اسے اپنی اَنا کا مسئلہ بنائے بیٹھے ہیں، کیوں؟ آپ کو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کیا سمجھتے ہیں ہمارا دل نہیں چاہتا کہ ہر آنے والا فنافی الرسول ﷺ ہو؟ ہم جتنے افراد کو اس عہد کی ظلمتوں سے چھین کر بارگاہِ رسالت میں پہنچاتے ہیں اس پر ہمیں آپ ﷺ کی خوشنودی اور اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوتی، ہم اس کے حریص نہیں ہیں؟ ہم بھی چاہتے

ہیں کہ ہر آنے والا کم از کم فنا فی الرسول ﷺ تو ہو جائے۔ لیکن کیا جھوٹ بولیں؟ جس میں استعداد نہیں ہے اُسے کہہ دیں تمہاری ہو گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے گا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (صحیح بخاری)۔۔۔جان بوجھ کر جو میرے ذمہ جھوٹی بات لگائے گا وہ اپنی جگہ دوزخ میں تلاش کرے۔ تو میرے بھائی احتیاط کرو، محنت کرو، مجاہدہ کرو اور مجاہدہ یہ ہے کہ اسے بھی آپ انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں کہ میں نے کہہ دیا اس کی بیعت ضرور ہو جائے۔ آپ کون ہو، کون ہو تم، تم نے کیا کہہ دیا؟ ?Who are You تمہاری حیثیت کیا ہے، کہاں کی بات کر رہے ہو؟ ایک گدائے بے نوا ایک شہنشاہ کی بارگاہ میں کہتا ہے کہ میں بھی ہوں۔ کون ہو تم، کیا ہو؟ تم کچھ نہیں ہو، میں کچھ نہیں ہوں، کوئی کچھ نہیں ہے، کس کی جرأت ہے وہاں کہ خواہ مخواہ لوگوں سے جھوٹ موٹ کہہ دے کہ تیری بیعت ہو گئی ہے۔ مرنا نہیں ہے، آخرت میں نہیں جانا، اللہ کو جواب نہیں دینا؟ تو میرے بھائی اس کی سفارش کرو بیعت کے لیے، ہاں بھیج دو یہاں رہے ہم بھی مجاہدہ کریں گے، محنت کریں گے، سکھائیں گے اسے لیکن بیعت تب ہو گی جب اس کی روح میں استعداد آئے گی۔ کچھ لوگوں کو ہم روک لیتے ہیں، جن کے پاس وقت ہوتا ہے، کوشش کرتے ہیں اس میں استعداد پیدا ہو جائے، کئی کو ہو جاتی ہے، جس کو نہیں ہوتی اس کو سمجھا کر واپس کر دیا جاتا ہے۔ جب استعداد ہوتی ہے پھر آ جاتا ہے۔ مجازین حضرات ایک بات کا خیال رکھیں دین کو دنیا کا ذریعہ نہ بننے دیں کہ ساتھیوں سے فائدہ اٹھالیں یا پیسے لے لیں یا ساتھیوں سے روزی لے لیں۔ دین کو دنیا کا ذریعہ نہ بننے دیں۔

دوسری بات یہ کہ مفروضوں پر فیصلے نہ کریں، حقائق پہ کریں۔ آپ جسے مراقبات کراتے ہیں اُسے یا کشف ہونا چاہیے یا وجدان ہونا چاہیے۔ خود اُسے یقین ہونا چاہیے کہ میری روح اب فلاں جگہ ہے۔ ابھی رات جن احباب کی بیعت ہوئی بڑی خوشی ہوئی مجھے، صحیح پختگی تھی ان میں، صحیح تربیت کی گئی تھی۔ بھئی! ہمارا بھی شوق ہوتا ہے، ہمیں بھی اس پہ نوازا جاتا ہے، شاباش ملتی ہے کہ اس عہد کی تاریکیوں سے اللہ کا بندہ چھین کر بارگاہِ رسالت میں پہنچایا جائے۔ آپ کو بھی انعام ملتا ہے لیکن انعام حقائق پر ملتے ہیں مفروضوں پر نہیں۔ یہ خیال رکھو کہ آپ کی انا کا مسئلہ نہیں ہے، کسی کی زندگی کا مسئلہ ہے، کسی کی عاقبت، آخرت کا مسئلہ ہے۔ دوسرا اس دھوکے سے بچو کہ آپ نے توجہ دی چلو میرے ساتھ، آپ اس کی روح کو کھینچ کر لے گئے یہ اس کا مقام نہیں ہے۔ اس کا مقام تب آئے گا جب وہ از خود مراقبہ کرے اور اسے پتا چلے کہ میری روح بارگاہِ رسالت ﷺ میں ہے، میری روح احدیت پر ہے، معیت پر ہے اور یہ یقین جب تک نہیں ہوتا تب تک لطائف پر مجاہدہ کرو، محنت کرو۔ ہم نے بھی تو برسوں کیے۔ حضرتؒ نے تو سولہ سال لگائے، تین سال تو میرے بھی لگ گئے تو کیا یہ ضروری ہے کہ بندہ آج آیا ہے اور کل اس کی ساری منازل ہو جائیں! اللہ کی عطا ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا۔۔۔ مجاہدہ کرو، محنت کرو، حاصل کرو اور یہ یاد رکھو کہ یہ غلطی بھی ہوتی ہے کہ اب تم یہ تصور کرو۔ نہیں، کوئی تصور نہیں ہے، حقیقت ہے تو ہے، نہیں ہے تو نہیں ہے۔ تصور کر کے تو ہندو برہمن بھی بیٹھ جاتے ہیں، یوگا والے بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں کچھ بھی نہیں وہ بھی بیٹھ کر کہتے ہیں تصور کرو، پھر کیا فائدہ، فرق کیا رہا۔ تصور نہیں حقیقت ہے، مشاہدہ ہو یا وجدان ہو، کشف ہو یا الہام ہو بندے کو یہ محسوس ہو کہ یہ کیفیت مجھ میں ہے اور یہ میرے ساتھ ہے، یہ مجھے برائی سے روک رہی ہے اور مجھے نیکی کی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ برکاتِ نبوت ﷺ ہیں اس بات کو نوٹ کر لیجئے کہ یہ آپ کا ذاتی مسئلہ نہیں ہے کہ آپ اس پر اصرار کرتے رہیں اور آپ کے ٹیلیفون پہ ٹیلیفون آ رہے ہیں کہ یہ جو بندہ ہے اس کی تو ضرور ہی کرا دیں۔ کیسے کرا دیں بھائی؟ ہو تو کرائیں۔ آنے والوں کو بھی شکایت ہوتی ہے، پچھلے دنوں ایک فرد کہہ رہے تھے کہ یہاں تو مجھے

کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا، میں نے کہا یہاں تو ایسے ہی ہے۔ یہاں تو تفتیش شروع ہوگئی، میں کٹہرے میں آ گیا ہوں، میں نے کہا یہاں تو ایسے ہی ہوگا، اس تفتیش سے نکلو گے تو جاؤ گے، یہاں تو مفروضوں پر بات نہیں ہے، یہاں بھی اگر ہم فرض ہی کرنے لگ جائیں تو پھر بچے کا کیا؟

کوشش کرو ساتھیوں پر بوجھ بننے کے بجائے ان کی مدد کر سکو، جتنی اللہ توفیق دے دوسروں کی مدد کرو بجائے اس کے کہ ان سے اپنی خدمت لینا چاہو کیونکہ یہ تو مجاہدہ ہے تم آرام کو تلاش نہ کرو مجاہدے میں کیا آرام ہو سکتا ہے؟ سہولتیں نہ ڈھونڈو یہ مشقت ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا۔۔۔ تو یہ بات ہی مشقت کی ہے بھائی پہلے بتا رہے ہیں یہ تو مشقت ہے، محنت ہے مجاہدہ ہے۔ الحمدللہ! اکسٹھ 1961ء میں پہلا اجتماع ہوا تھا، 1961ء سے پہلے تک تو حضرتؒ کسی کو عام جلدی سے حلقے میں لیتے نہیں تھے، تین چار ساتھی تھے، حضرتؒ کے گاؤں کے تھے اور حضرتؒ مناظروں میں جاتے ادیانِ باطلہ کے خلاف تو وہ تگڑے بندے تھے، زمیندار تھے، بندوقوں والے تھے تو وہ باڈی گارڈ کے طور پر ساتھ ہوتے تھے تو ان سب کو حضرتؒ نے فنا بقا تک مراقبات بھی کرا دیئے کہ تہجد، نمازیں، اللہ اللہ کرتے رہو، چار پانچ وہ تھے دو تین باہر کے ساتھ ہوتے پھر اللہ نے مجھے سعادت بخشی تب حضرتؒ کو بارگاہِ رسالت ﷺ سے حکم ہوا کہ لوگوں کو یہ بتائیں، یہ سکھائیں۔ اس دعوتِ عام میں اللہ نے مجھے سعادت بخشی آنے کی لیکن پھر بھی حضرتؒ احتیاط کرتے تھے اور ہر آنے والے کو حلقے میں نہیں لیتے تھے۔ 1961ء میں دعوتِ عام ہوئی، جو بھی آئے اسے لے لیں، پھر مشائخ بالا کے ارشادات کے مطابق پہلا اجتماع 1961ء میں ہوا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اور الحمدللہ! میرے پاس ہوا، میرا ایک ڈیرہ ہے جنگل میں، میں وہاں رہتا تھا پندرہ بیس آدمی تھے پہلے اجتماع میں، تو جنگل میں پندرہ بیس آدمیوں کو سنبھالنا، ان کے وضو کے لیے پانی مہیا کرنا، اس وقت پانی جوہڑوں سے آتا تھا، کھانا پینا، بستر مہیا کرنا، غالباً آٹھ دن کا تھا، دس دن کا تھا یا پندرہ دن کا تھا مجھے یاد نہیں۔ اگلا اجتماع بھی وہیں ہوا۔ 1963ء میں ڈھلوال میں تھا اجتماع بھی ڈھلوال میں ہوا، 1964ء میں نور پور آ گیا اجتماع بھی نور پور ہوا، 1965ء سے میں نے ڈیرہ منارہ بنایا، اجتماع بھی منارہ ہوا، 1965ء سے لے کر 1979ء تک منارہ ہی اجتماع ہوتے رہے۔ اس زمانے کے ساتھی موجود ہیں الحمدللہ! 1961ء سے لے کر 1979ء تک بڑی جماعت بن گئی 1961ء سے لے کر 1979 تک کسی ساتھی کی کوئی پائی اس میں شامل نہیں تھی یہ ساری سعادت مجھ اکیلے کو اللہ کریم دیتا تھا، کوئی لنگر کا انتظام نہیں تھا جو اچھا یا برا کھانا پینا، دو وقت کی چائے، دو وقت کا کھانا یہ الحمدللہ! 1961ء سے لے کر 1979ء تک اللہ نے مجھے توفیق دی کسی ساتھی کا کوئی پیسہ اس میں شامل نہیں تھا، اس زمانے کے بہت سے ساتھی بیٹھے ہیں۔ گھروں میں پکوایا، ذاتی ملازموں سے پکوایا، روٹیوں کے بڑے بڑے چھابے اور ان کے درمیان ہانڈی رکھ کر، میں اپنے سر پر رکھ کر لے آتا تھا اس کے گواہ بھی موجود ہیں۔ میں نے پہلی کار 1970ء میں خریدی تھی۔ 1970ء سے لے کر 1978ء، 1979ء تک، بڑی گاڑی تھی فورڈ کار تھی امریکن، آٹھ سلنڈر، تین روپے گیلن پیٹرول ہوتا تھا، چودہ گیلن پیٹرول اس میں آتا تھا، بیالیس روپے سے ٹینک بھر جاتا تھا اور چار چار گیلن کے دو کین ٹینک میں مَیں رکھا کرتا تھا، بھروا کر سٹاک کر لیا کرتا تھا۔ الحمدللہ! حضرتؒ بلاتے، خط آ جاتا، میں سحری تہجد پڑھ کر نکلتا، فجر راستے میں پڑھتا، حضرتؒ کو چکڑالے سے لیتا سارا پنجاب، سارا سرحد گلگت تک حضرت جیؒ کو لے کر اس کام کے لیے گئے، اللہ نے توفیق دی، خیال نہیں آیا کہ کسی سے پیٹرول کے پیسے لیں، کسی نے نہیں دیئے نہ ہم نے لینے کی کوشش کی، سوچا ہی نہیں، وہ جسے کار دیتا ہے اسے پیٹرول کی ہمت دیتا ہے اس کے پاس پیسے ہوتے ہیں کہ وہ پیٹرول لے سکے۔ جو کار خرید سکتا ہے اسے اللہ نے اتنا دے رکھا ہوتا ہے کہ وہ پیٹرول خرید سکے، جو پیٹرول نہیں ڈال سکتا وہ کار کیسے خرید سکتا ہے؟ 1979ء میں پھر کچھ احباب، فوجی افسر ایسے آ گئے جن کے پاس

گاڑیاں تھیں اس وقت 1978ء، 1979ء میں یہ کرولا تیرہ ہزار کی آتی تھی نئی اور ساتھیوں نے ایک سیکنڈ ہینڈ گیارہ ہزار کی خریدی تھی میجر زین العابدین ہوتے تھے حضرتؒ کو لے جاتے تھے اور پھر اور بھی شریک ہو گئے اور پھر 1980ء میں پھر اجتماع یہاں آ گیا اور یہاں صدائے عام ہو گئی، یہ لنگر بن گیا۔ یہاں بھی اللہ کا شکر ہے کوئی پابندی نہیں ہے۔ جو اس میں حصہ لیتا ہے اسے بھی وہی دال روٹی ملتی ہے جو نہیں لیتا اسے بھی وہی مل جاتی ہے۔ ایسے لوگ بھی یہاں آتے ہیں جو یہاں آ کر جاتے وقت کہتے ہیں حضرت جی آنے کا کرایہ تو تھا جانے کا نہیں ہے تو اللہ کا احسان ہے، ہم انہیں جانے کا کرایہ دے دیتے ہیں۔ تو یہ سعادت عام ہو گئی تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں اور سبق کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ یہ لوگوں سے کمانے کا ذریعہ نہیں ہے، اس میں اپنی کمائی انوسٹ کر کے اپنی سعادت سمجھا جائے۔ کوئی صاحب مجاز یہ نہ سمجھے کہ لوگ میرا بار اٹھائیں، لوگ مجھے ادھار ہی دے دیں، لوگ مجھے پیسے دیں، لوگ میرے لیے کھانے کا اعلیٰ اہتمام کریں۔

الحمد للہ! ہم نے حضرتؒ کے ساتھ سفر کیے ہیں ایک جگہ قادیانیوں کے خلاف، ایک گاؤں میں بہت سے قادیانی ہو گئے اور پھر وہاں انہوں نے ایک بڑی سکیم بنائی ایک امیر آدمی نے انہیں جگہ بھی دی کہ وہاں ہائی سکول بنائیں گے، بس رکھیں گے مفت بچوں کو لے کر جائیں گے، ان کو ناشتہ سکول میں ملے گا، دوپہر کا کھانا سکول دے گا، کتابیں سکول دے گا، وردی سکول دے گا تو وہ لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے، حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے، یاد نہیں کتنا سفر تھا، آٹھ دس میل پیدل پہاڑوں میں سے سفر تھا، سڑک دور تھی اور اس وقت سڑکیں عام نہیں تھیں، کچھ سڑک تھی لیکن بڑا چکر لگا کے تو حضرتؒ پیدل تشریف لے گئے ہم بھی ساتھ گئے، جلسہ ہوا، بڑا بھرپور جلسہ ہوا، اب اللہ کی شان جو بندہ سبب بن رہا تھا وہی اس جلسہ میں تائب ہو گیا اور وہ سارا منصوبہ ان کا خاک میں مل گیا۔ پتا ہے ہم کیسے رہے تھے؟ حضرت جیؒ کے لیے ایک کمرے میں ایک چارپائی کا انتظام تھا۔ ہمارے لیے ایک خالی کمرہ تھا جس میں مٹی کی لپائی کی ہوئی تھی، صبح شام ٹکڑے گاؤں سے آتے تھے اتنے اتنے، کسی کے گھر سے کوئی اور، کسی سے کوئی اور، ایک برتن میں دال بھی ساگ بھی گوشت بھی جو کسی گھر میں پکا ہوتا ہے وہ کھاتے تھے، تکیے وغیرہ کچھ نہیں ہوتے تھے جو دھوتی پاس ہوتی تھی وہ ہی اوپر لے کر سو جاتے تھے۔ الحمد للہ! اللہ کا شکر ہے کبھی کسی کے لب پہ شکایت نہیں آئی، میں اکیلا نہیں تھا وہ سارے میرے ساتھ ہوتے تھے کسی کے لب پہ شکایت نہیں آئی۔ ایک جگہ حضرتؒ کو انہوں نے بلایا وہاں ایک بہت بڑا فاضل ایک اہلِ تشیع آیا ہوا تھا اپنے زمانے کا مانا ہوا تھا اس کے اور حضرت کے کئی مناظرے ہوئے تھے وہ حضرت سے بھاگ جاتا تھا، میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا وہاں جانا ہے، چلو جی! یہ ستر سے پہلے کی بات ہے، گاڑی نہیں تھی میرے پاس، میں بس میں حضرت جی کے ساتھ وہاں آیا۔ تین دن وہاں رہے وہ حضرتؒ کے آنے پر بھاگ گیا، حضرتؒ نے جلسہ کیا، دو راتیں تین دن وہاں رہے، بڑا بھرپور جلسہ ہوا وہی حال! حضرت جیؒ کے لیے ایک چارپائی اور کوئی بستر اور ہم وہیں فرش پر، گاؤں سے باہر ذرا سا دور اڈہ تھا، اب تو سنا ہے وہ گاؤں سڑک سے بھی آگے نکل گیا ہے وہاں آئے، بس پر بیٹھ کر چکوال پھر شاید چکوال سے ڈھلوال مجھے یاد نہیں، مدت کی بات ہے۔ جب بس میں بیٹھ گئے تو انہوں نے دس دس کے دو نوٹ مجھے دیئے، بیس روپے، میں تو ناپختہ کار آدمی تھا مجھے تو اچھا نہیں لگا کہ انہوں نے حضرتؒ کو تکلیف دی، تین دن ہمارے لگ گئے، بھوک پیاس ویسے کاٹی، جلسہ ان کا کامیاب ہوا اور یہ بیس روپے دے رہے ہیں۔ جب ہم چکوال پہنچے تو حضرتؒ نے مجھ سے پوچھا کیا بات ہے تمہارا چہرہ کوئی اور سا لگ رہا ہے، کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا دیکھیں حضرت (رحمۃ اللہ علیہ)! انہوں نے ہمیں بیس روپے دیئے ہیں۔ تو فرمانے لگے چلو اچھا ہے شکر کرو یہ تو انہوں نے مدد کر دی ہم نے تو ان کا کام نہیں کیا، اپنا کام کیا ہے وہ دیتے نہ دیتے اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم نے کوئی ان کا کام کیا ہے؟ دین کا کام کرنا تو ہماری ذمہ داری ہے انہوں نے دے دیئے کم از کم آنے

جانے کا کرایہ تو بن گیا ہے ناں! یہ تو اللہ انہیں خوش رکھے انہوں نے ہماری بڑی مدد کر دی تم ناراض کیوں ہو؟

میرے بھائی ہم نے تو یہ زمانہ دیکھا ہے اور اسی روش کو دین سمجھتے ہیں، اگر کسی دوسرے بھائی کا بوجھ بانٹ نہ سکو تو اپنا بوجھ اس پر مت ڈالو، اور یہ سارا کام دنیا کے لیے نہیں ہے یہ رضائے باری کے لیے ہے۔ جو کام رضائے باری کے لیے ہوگا تو اس میں مجاہدہ ہوگا، مشقت ہوگی تکلیفیں ہوں گی، دکھ ہوگا۔ میں حیران ہوتا ہوں جب آپ لطائف کرتے ہیں یہ مسجد بھری ہوتی ہے جب رات میں ذکر کراتا ہوں مجھے نہیں پتا لگتا باہر کوئی بندہ ہے یا نہیں۔ یہاں اُس عہد کے گواہ بیٹھے ہیں جب ہم لطائف کرتے تھے الحمدللہ! مکان لرز جاتے تھے، دروازوں کی کنڈیاں کھٹ کھٹ کیا کرتی تھیں ہم پانچ سات بندے ہوتے تھے تو کمرہ اس طرح ہو جاتا تھا۔ دسمبر کی راتوں میں عشاء کے ذکر کے بعد گڑ کے شربت سے کھانا کھاتے تھے اتنی حدت ہوتی تھی، اندر مروڑ لگ جاتے تھے، معدہ خراب ہو جاتا تھا۔ دسمبر کی راتوں میں گڑ کا شربت بنا کے اس کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، چھلکا اسپغول بیگ میں ہوتا تھا پھٹکری بیگ میں ہوتی تھی، سارا منہ اندر سے پھول جاتا تھا پھر پانی میں پھٹکری حل کر کے اس کے غرارے کیا کرتے تھے، لطائف کا یہ اثر وجود پہ ہوتا تھا۔ تو آپ تو مزے مزے سے لگے رہتے ہیں، کوئی نہیں، دفتر میں بیٹھے کچھ پتا نہیں لگتا کہ باہر کوئی ہے یا نہیں۔ بھئی یہ جَاھَدُوْا ہے، مجاہدہ ہے محنت ہے، بھئی مجاہدہ تو جبھی ہوگا ناں جب مشکلیں آئیں گی رکاوٹیں آئیں گی، جب اللہ ساتھ ہے تو مشکل کیا مشکل ہے۔ پھر کوئی مشکل نہیں ہے کوئی تکلیف نہیں ہے، استقامت شرط ہے، بہر حال یہ باتیں کرنے کی نہیں ہوتیں بعض اوقات کرنی پڑ جاتی ہیں، عجیب عجیب تجربے کیے ہیں زندگی میں، ڈیرے پہ ہوا کرتا تھا میں اور لطائف کیا کرتا اور بڑے زور سے کرتا تھا، مراقبات کرتا تھا، جنگل تھا ویرانہ تھا ہم نے ایک نیا اس وقت تو ہم کوٹھا کہتے تھے اب کمرہ کہتے ہیں، وہ ہوتے بھی کوٹھے ہی تھے، دیسی لکڑیاں، دیسی سارا کچھ ہوتا تھا، وہ پتھروں کی دیواریں، تو حویلی سے ذرا آگے تھا تو میں آگے نکل جاتا تھا، گرمیاں تھیں صحن میں تہجد پڑھے اور ذکر کرنے لگ گئے، سامنے پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر ایک بڑا سا کتا تھا میں لطائف کرتا وہ بھوں بھوں کرتا۔ ایک دن بھی برداشت کیا دوسرے دن بھی، میں نے کہا یہ ہو نہ ہو یہ شیطان کی کارروائی ہے۔ کیا کریں بھئی؟ اسلحہ اس زمانے میں بھی میرے پاس ہوتا تھا، میرے پاس اڑتیس بور کے پستول تھے بڑے اچھے۔ آرمی میں ورلڈ وار سیکنڈ میں استعمال ہوئے تھے، میں نے لوڈ کر کے گود میں رکھ لیا ایک مرتبہ وہ بھونکا تو میں نے لطائف چھوڑ کر فائر کر دیا، پھر میں برسوں وہاں لطائف کرتا رہا کوئی شیطان نہیں آیا، وہاں سے غائب ہو گیا۔ فائر اُسے لگا نہیں لگا، رب جانے لگا یا نہیں لگا، پھر آیا نہیں۔ میں نے یہ بھی کہا تھا شیطان سے کہ بھئی کوشش کرو، لگے رہو، مجھ سے گناہ کروالو، ہوسکتا ہے میں کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں، سلسلے کی حقانیت پہ بحث کرنے کی کوشش نہ کرنا تمہارا وقت ضائع ہوگا۔ اس موضوع پہ بات نہ کرنا، یہ ٹھیک ہے یا نہیں یہ میرا الیقین تمہاری رسائی سے آگے ہے۔ یہ ٹھیک ہے میں خراب ہوسکتا ہوں بیشک میرے ساتھ کوشش کر کے کوئی گناہ کرا لو کوئی غلطی کروا لو مجھ سے ہوسکتی ہے، اس پہ وقت ضائع نہ کرنا۔ میاں یہاں تو یہ سودا بکتا ہے، جتنا وہ جس نے یہ نعمتیں حاصل کیں یہ اللہ کے احسانات ہیں، یہ مشائخ کی برکات ہیں، یہ بارگاہِ رسالت کے انعامات ہیں، اللہ مجھے معاف کرے میں تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ یہ طریقہ اور یہ سلیقہ ہے اس راستے کا، یہ سارے لوگ جو بزرگ بیٹھے ہیں حضرت جیؒ کے زمانے کے ہمارے ساتھ ہوتے تھے ان سب باتوں کے گواہ ہیں۔ تو میری خصوصی گذارش ہے ذمہ داران سے وہ امیر ہوں یا قائم مقام صاحب مجاز ہوں یا صاحبِ مجاز ہوں لوگوں کو کچھ دینے والے بنیں، لینے والے نہیں۔ آپ کا واسطہ اس بارگاہ سے ہے، آپ اس بارگاہ کے خادم وغلام، چوکیدار، پیارے ہیں، جہاں سے دیا جاتا ہے۔ وانّما انا قاسم واللہ یعطی او کما قال رسول اللہ ﷺ (فتح الباری شرح صحیح البخاری) فرمایا میرا کام بانٹنا ہے دینا تو اللہ کا کام

ہے، تو جہاں سے نعمتیں بٹتی ہیں آپ اس در پہ کھڑے ہیں۔ آپ نے گھر سے کیا دینا ہے؟ اس بارگاہ سے لینا ہے، آگے دینا ہے۔ بھئی آپ کا احسان خواہ مخواہ گردنوں پر، پلے سے تو کچھ دینا نہیں ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں اللہ سب کو توفیق دے، آپ دینے والے بنیں لینے والے نہیں، اس نے کہا تھا:

حیف در چشم سدن صحبت یاراں خرشد
روئے گل سحر نہ دے، دے وہ بہار آخر

دکھ کی بات ہے پلک جھپکنے میں دوست کی محفل ختم ہوگئی ہم نے تو ابھی محبوب کی سیر ہو کر زیارت بھی نہیں کی تھی کہ مجلس برخواست ہوگئی۔ تھوڑے سے دن تھے گزر گئے، الحمدللہ! گرمیِ محفل تھی رات دن کی یادِ الٰہی تھی تعلیم و تعلّم تھا، مراقبات تھے، سوال و جواب ہوتے رہے، سوا پارہ تقریباً تفسیر کا ہوگیا یہ چلتا رہتا تو شاید جلدی مکمل ہو جاتے لیکن ہر کام کا وقت، ہر کام کا موقع، ہر کام کے ایام مقرر ہوتے ہیں۔ اللہ کا نظام ہے سدا حال ایک سا نہیں رہتا، جانا ہے آپ کو جانا ہے ضرور جایئے، اپنی محنت اپنے مجاہدے اپنی سعادت کا ثمر حاصل کرنے کی کوشش کیجئے، اللہ کریم سے استقامت مانگئے، ساری دنیا کو شیطان بھگائے پھرتا ہے کچھ تو لوگ ایسے بھی ہوں جن سے شیطان کو کوئی خطرہ محسوس ہو، بندہ یا ڈرتا ہے یا پھر ڈراتا ہے، یا کسی سے ڈرتا ہے یا کسی کے لیے ڈر کا سبب بن جاتا ہے، جب اللہ ساتھ ہے تو شیطان کو ڈراؤ یار، شیطان سے کیوں ڈرتے ہو، اسے ڈرنا چاہئے، بڑے مروڑ اٹھتے ہیں اس کے پیٹ میں یہ جو آپ نے ذکرِ الٰہی کو چار دانگ روئے زمین پہ پھیلا دیا ہے تو اوکھا ہے وہ بھی اور اسے اوکھا ہونا چاہئے، ڈرنے کی ضرورت نہیں آپ کے ساتھ اللہ ہے۔ وہ مردود ہے، ملعون ہے تو کوشش کرتا ہے دھوکہ دینے کی، غلطی کروانے کی انسان سے لیکن یہ تو موجود ہے، اصلاحِ احوال کا موقع موجود ہے فوراً رجوع الی اللہ کریں اور یہ یاد رکھیں یہ کام مجاہدہ ہے، مشقت ہے ظاہری دکھوں تکلیفوں سے بھرا ہوا ہے، رکاوٹیں قدم قدم پر ہیں لیکن وعدہ بڑا ہے، جو طے کر لیتا ہے پھر ہم خود اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں ایک نہیں کئی راستے کھول دیتے ہیں۔ پھر ڈر کس بات کا، اللہ کریم سب کا حامی و ناصر ہو، میرا خیال ہے میں نے زیادہ وقت لے لیا لیکن بھئی کیا کریں باتیں تو کرنا ہوتی ہیں، اللہ قبول فرمائے اور اسے ہماری اصلاح اور بہتری کا سبب بنائے۔ سب احباب کو ایمان کی سلامتی اور ظاہری سلامتی سے لے جائے۔ زندہ بنو زندہ اور کفر کی گود میں آگ لگا دو، ایمان کے گلستان کھلا دو، اللہ کریم نے تمہیں موقع دیا ہے، اللہ کریم نے یہ بہت بڑی طاقت اور سعادت بخشی ہے، اس کی عظمت کو پہچانو اور تادمِ آخر مجاہدہ ہے، ہمت کرنا ہوگی شکائتیں نہیں، چیں چیں نہیں چلتی یہاں ہمت چلتی ہے۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو، دامانِ رسالت کو تھامے رہو، کچھ نہیں ہوتا ان شاء اللہ! اللہ مالک ہے، عمل کی بات ہے زبانی نہیں۔ اللہ توفیق دے آپ عمل کریں گے نتائج دیکھیں گے۔ یہ نعرے سیاسی بقا کے لیے ہوتے ہیں، اخباری خبر کے لیے ہوتے ہیں یہ سیاستدان لگاتے ہیں، ان کی بقا کا مسئلہ ہوتا ہے، شور شرابا نہ کریں سڑکیں بند نہ کریں، اخبار میں نہ آئیں، ٹی وی پر نہ آئیں تو ان کی سیاسی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہمیں عمل کی ضرورت ہے، ہم نے کر کے دکھانا ہے کہ اللہ ہی بڑا ہے، کہہ کے نہیں منوانا، کر کے دکھانا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِكَ وَاعْفُ عَنَّا قَبْلَ ذَالِكَ. اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا اَنْتَ وَلِیُّنَا فِیْ سَفَرِنَا وَحَضَرِنَا فِیْ مَالِنَا وَاَھْلِنَا. اَنْتَ وَلِیُّنَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ اَللّٰھُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَ الْمُسْلِمِیْنَ... عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O رَبَّنَا نَوِّرْ قلوبنا بنور معرفتِ والایمان اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا نَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَاسْتُرْ عُیُوْبَنَا وَاغْفِرْ ذُنُوْبَنَا فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ O اَللّٰھُمَّ سَھِّل لنا امورنا کلھا فی دِیْنِنَا وَ دُنْیَانَا ... رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ O اَللّٰھُمَّ توکلنا... والیك المصیر O (بقیہ صفحہ نمبر 30 پر)

پیر سے دور رہنے کی مضرت:

قولہ تعالیٰ: فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۚ (النور:62)

ترجمہ: تو ان میں سے آپ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں۔

"اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شیخ کی خدمت سے دور ہونا گو باذن ہو مگر قدرے نقصان سے خالی نہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ اگر کسی کو مجبوری ہو آپ سے اجازت لے، آپ چاہیں تو اجازت دیں نہ چاہیں تو نہ دیں وہ اس کام پر لگا رہے لیکن جسے آپ اجازت دیں اس کے لئے اللہ سے بخشش چاہیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ گویا حضور ﷺ نے اجازت دے دی پھر بھی اس میں اس کی نسبت جو حضور ﷺ کے سامنے ہے اس کا نقصان ہوگا جو اجازت لے کر چلا گیا لہٰذا اس کے لئے استغفار چاہیے، بخشش چاہیے۔ تو اس طرح فرماتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ رہنا، ساتھ کام کرنا اور بات ہے اور ساتھ نہ رہنا اس میں فرق ہوتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں "سگ حضوری بہ از ملک دوری" حضوری میں رہنے والا کتا بھی دور رہنے والے فرشتے سے زیادہ حاصل کر لیتا ہے۔

شیخ کا احترام:

قولہ تعالیٰ: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ (النور:63)

ترجمہ: تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔

"اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شیخ کا خاص ادب و احترام کرے اور دوسروں سے معاملات میں اس کو ممتاز رکھے۔"

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے جو آداب ہیں ان میں ایک بہت بڑا ادب یہ بھی ہے کہ جس بے تکلفی سے آپ دوسروں کو بلاتے ہیں یا بات کرتے ہیں اس انداز سے بارگاہ رسالت میں بات نہ کریں بلکہ خاص بارگاہ رسالت کا ادب ملحوظ رکھ کر زبان کھولیں۔ تو فرماتے ہیں یہی معاملہ شیخ کے ساتھ ہوتا ہے کہ شیخ کے ادب و احترام کا خاص اہتمام کیا جائے اور عام لوگوں کی طرح شیخ کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے۔

سورہ الفرقان

بعض اُمّی بزرگوں پر طعن کا رَدّ:

قولہ تعالیٰ: وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (الفرقان:4)

ترجمہ: اور دوسرے لوگوں نے اس میں مدد کی ہے۔

"ایسا ہی طعن بعض اولیاء امیین پر بعض خشک علماء نے کیا ہے کہ ان کے مرید بعض علماء ہیں وہ علوم ہیں جو ان کی اعانت کرتے ہیں۔"

فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین یا کفار کہتے تھے کہ یہ عبارتیں، یہ آیات اور یہ چیزیں ان کے بس کی تو نہیں تھیں، یہ دوسرے لوگ جو ان کے ساتھ مل گئے ہیں ان میں پڑھے لکھے بھی ہیں اور وہ ان کی مدد کرتے ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کی ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے۔ تو ایسے ہی فرمایا کچھ علماء ایسے ہوتے ہیں جنہیں سلوک

سے مس نہیں ہوتا کچھ دوسرے نام نہاد پیر ایسے ہوتے ہیں تو وہ یہ الزام مشائخ پر بھی لگاتے ہیں کہ یہ جو باتیں کرتے ہیں کوئی انہیں بتاتا ہے، کوئی ان کی مدد کرتا ہے۔ ان کے جو علماء مرید ہیں وہ ان کو باتیں لکھ کر دیتے ہیں تو یہ باتیں کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ اس طرح سے ہوتا رہتا ہے۔

خوارق کو معیارِ کمال سمجھنے کا رَدّ:

قولہ تعالیٰ: لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ (الفرقان: 7)

ترجمہ: اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

"اس میں اس شخص پر رد ہے جو کمال کا معیار خوارق کو قرار دیتا ہے۔"

کافروں نے کہا اگر یہ اللہ کے رسول ہیں تو ان کے ساتھ کوئی اللہ کا فرشتہ ہوتا جو لوگوں کو بتاتا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو فرماتے ہیں سلوک کا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ بعض لوگ خوارق یعنی کرامات کو کمال معیار سمجھتے ہیں۔ کرامات کمال کا معیار نہیں ہیں۔ کمال کا معیار یہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب آپ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ تو ایک دن دنیا سے پردہ فرما جائیں گے اور پھر بعد میں آنے والے لوگوں میں سے کس کے ساتھ رہا جائے، کس کو منتخب کیا جائے، کس کی مجلس میں بیٹھا جائے، کس کی بات مانی جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جسے دیکھ کر اللہ یاد آئے اس کے ساتھ رہو یعنی جس سے اللہ اللہ نصیب ہو، ایمان، عقیدے اور کردار کی اصلاح نصیب ہو، اس بندے کے ساتھ رہو وہ بندہ درست ہوگا۔ ضروری نہیں کہ اس سے بہت سی کرامات کا ظہور ہو یہ ایک کرامت کافی ہے کہ اس کے ساتھ رہنے سے آپ کا عقیدہ درست ہو جائے، آپ کا کردار درست ہو جائے۔

انتظار مواجید کی مذمت اور اس کا منشا کبر ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (الفرقان: 21)

ترجمہ: اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔ یہ لوگ اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے ہیں۔

"اس میں اس شخص کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جو سلوک میں احوال باطنیہ غیر اختیاریہ کا منتظر رہتا ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ منشا اس انتظار کا حقیقت میں تکبر ہے اور اپنے مجاہدات واعمال استحقاق کا دعویٰ۔"

فرماتے ہیں اس میں اس شخص کا رد ہے جسے یہ خیال آتا ہے کہ سال ہو گیا اللہ اللہ کئے مجھے ابھی تک فلاں مقام اور مراقبہ کیوں نہیں ملا۔ فرمایا یہ غلط ہے اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے عملِ نوافل یا اپنے مجاہدے پر ایک بڑائی کا دعویٰ ہے کہ میں نے بہت کچھ کرلیا اور مجھے جو ملا ہے وہ تھوڑا ہے، زیادہ ملنا چاہیے تھا۔ یہ غلط رویہ ہے۔ مراقبات، باطنی کیفیاتِ قلبی غیر اختیاری ہوتے ہیں اور من جانب اللہ ہوتے ہیں اور اللہ کریم بہتر جانتے ہیں کہ کس وقت کس بندے کو کون سی نعمت دینی ہے۔ بندے کا کام مجاہدہ کرنا، محنت کرنا، استغفار کرنا، اس کا ذکر کرنا اس کی رضا کے لئے محنت کرنا ہے، بندے کے لئے یہ سب سے بڑا اعزاز اور مقام و مرتبہ ہے۔ باقی اس کی اپنی عطا ہے وہ جب چاہے جسے چاہے عطا کر دے۔ ہم ایک دفعہ حضرت جیؒ کے ساتھ جارہے تھے گجرات کے علاقے میں ایک ساتھی کی رہائش گاہ پر حضرت تشریف لے جارہے تھے۔ ویران سی جگہ تھی ساتھ ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا اس پر ایک قبر بنی ہوئی تھی۔ تو حضرت نے فرمایا گاڑی روکو، میں نے گاڑی روک دی تو تھوڑی دیر متوجہ رہے فرمایا چلو چلتے ہیں، تو میں نے عرض کیا حضرت بات سمجھ میں نہیں آئی، آپ نیچے بھی نہیں اترے کوئی بندہ بھی نہیں تھا جس سے بات کرتے تو مجھے تو نہیں سمجھ آئی۔ تو فرمایا تم نے یہ قبر دیکھی، اس شخص نے ساری زندگی سلوک کی تلاش میں گزار دی اور اس نے بڑے سفر کئے، جہاں کسی کا نام سنا وہاں پہنچا لیکن اسے کوئی نہیں ملا جو اسے سلوک سکھاتا، ذکر قلبی سکھاتا، مراقبات کراتا اور اسی

حال میں اسی گردش میں پردیس میں اس کی موت ہوگئی اور لوگوں نے اسے یہاں اس ٹیلے پر دفن کر دیا۔ یہ ایک مدت کا واقعہ ہے ایک پرانی قبر ہے تو مجھے اللہ نے سعادت بخشی، میرے دل میں خیال ڈال دیا کہ اسے لطائف اور کم از کم مراقبات ثلاثہ تو کرا دیئے جائیں تو میں نے توجہ کر کے اسے کرا دیئے۔ میں اس واقعے کا گواہ ہوں، میں ساتھ تھا۔ تو بندہ اللہ کی عطا کو نہیں جان سکتا۔ چلو وہ بندہ طلب میں پھرتا رہا لیکن اللہ نے اسے محروم نہیں رکھا جب موقع آیا جب اللہ نے چاہا ایسے اسباب بنا دیئے کہ اپنے ایک بندے کو اس کی قبر کی طرف بھیج دیا اور پھر ان کے دل میں خیال ڈال دیا اور اسے نصیب ہو گئے تو یہ امور غیر اختیاریہ من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ سالک کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ذکر کرتے مجھے سال دو سال ہو گئے، پانچ سال ہو گئے تھے فلاں مراقبہ کیوں نہیں کرایا گیا۔ میں نے خود برسوں محنت کی ہے جب لطائف کیا کرتے تھے اور لطائف پر ہی رہتے تھے اور احدیت بھی نہیں ہوتی تھی، لوگ آتے تھے ہمارے ساتھ ہفتہ رہتے، دس دن رہتے اور فناء و بقاء تک مراقبات کر کے چلے جاتے۔ لطائف بھی ہو جاتے، مراقبات بھی ہو جاتے، مشاہدات بھی ہو جاتے اور ہم لگے رہتے تھے۔ تو جب اللہ نے دینا چاہا جب وہ وقت آیا جو من جانب اللہ مقرر تھا پھر اللہ نے کہاں سے کہاں پہنچایا۔ تو امور غیر اختیاریہ کا مطالبہ کرنا اپنے مجاہدے اور عبادت پر تکبر کرنے کے برابر ہے۔

ہر ولی کا کوئی نہ کوئی عدو ضرور ہوتا ہے:

قولہ تعالیٰ: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۔ (الفرقان:31)

ترجمہ: اور ہم اسی طرح مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہیں ہیں۔

"روح میں ہے کہ اگر اس کو اس قول کے ساتھ ملایا جاوے کہ ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ولی کا بھی ایک عدو ہوتا ہے اور اس میں ایسے شخص کی بدحالی کی طرف بھی اشارہ ہے جو اولیاء اللہ سے عداوت رکھے، اسی واسطے کہا گیا ہے کہ ان کی عداوت سوء خاتمہ کی علامت ہے۔"

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بدنصیب ہوتے ہیں، ان کی خطائیں، ان کے گناہ، ان کے جرائم اتنے زیادہ ہو جاتے ہیں کہ اللہ کریم ان سے ناراض ہو کر انہیں نبی علیہ السلام کا دشمن بنا دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی سزا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ جو ارشاد ہے کہ ہر ولی ایک نبیؑ کے قدم پر ہوتا ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ولی کا بھی کوئی دشمن ہوا اور ایسے شخص کی بدحالی کی طرف بھی اشارہ ہے جو اولیاء اللہ سے عداوت رکھے۔ تو اللہ کے نیک بندوں سے عداوت رکھنا جو ہے اس میں سوء خاتمہ کی علامت ہے۔ کہ اللہ کے بندوں سے دشمنی رکھنے میں خطرہ یہ ہوتا ہے کہ خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی ولایت کا اقرار نہ کرنا کفر نہیں ہے اور ولی کی ولایت کو ماننا لازم نہیں ہے، نبیؑ کی نبوت کو ماننا لازم ہے لیکن ان سے دشمنی کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر کوئی ولی کی ولایت کا اقرار نہیں کرتا تو اس کے فیض سے محروم رہے گا لیکن جو دشمنی کرتا ہے تو اس کے لئے تو خطرہ یہ ہے کہ اس کا خاتمہ ہی ایمان پر نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ ولی اللہ کی دشمنی کفر تو نہیں لیکن ایسے لوگوں کا خاتمہ کفر پر ہونے کا خطرہ ہے۔

تدریج ثمرات کی حکمت:

قولہ تعالیٰ: كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان:32)

ترجمہ: اس طرح اس لئے ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اُتارا ہے۔

"اسی طرح ثمرات اور مقامات میں جو تدریج ہوتی ہے اس میں بھی حکمت ہے کہ ثبات اور رسوخ ہو جاوے کیونکہ جو چیز جلدی آتی ہے جلدی جاتی ہے، تو سالک کو دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہیے بلکہ صبر کرنا چاہیے۔"

فرمایا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ ہم نے قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب اطہر کو قوی رکھیں، مضبوط رکھیں اور آیت اس میں ثبت ہو جائے، نقش ہو جائے پھر دوسری اتاری جائے یہ اللہ کریم کا اپنا طریق ہے، تو فرماتے ہیں ثمرات اور مقامات میں جو تدریج ہوتی ہے یعنی بتدریج باری باری ملتے ہیں، کچھ مراقبات ہو گئے کچھ اگلے سال ہو گئے۔ جو تدریج ہوتی ہے اس میں حکمت ہے کہ ثبات اور رسوخ ہو جائے، پہلا مراقبہ مضبوط ہو جائے راسخ ہو جائے پھر دوسرا کرایا جائے۔ وہ فرماتے ہیں یہ فطرت کا قانون ہے کہ جو چیز جلدی آتی ہے جلدی جاتی ہے۔ جانوروں کی دنیا کو دیکھ لیں۔ گائے بیل کا بچہ تین سال کا جوان ہو جاتا ہے تو دس سال میں ختم ہو جاتا ہے اس کی عمر ڈھل جاتی ہے، دس بارہ سال سے زیادہ اس کی عمر نہیں ہوتی۔ ہاتھی کا بچہ سترہ سال میں جوان ہوتا ہے اس کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال ہوتی ہے تو جو چیز جتنی آرام سے آتی ہے اتنی دیر سے جاتی ہے اور جو چیز جتنی جلدی آتی ہے وہ اتنی جلدی چلی جاتی ہے، تو فرماتے ہیں یہ جو من جانب اللہ باری باری آہستہ آہستہ مراقبات ہوتے ہیں ان میں سالک کو جلدی نہیں کرنی چاہیے، دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہیے بلکہ صبر کرنا چاہیے۔

طبیعت کی طرف توجہ کرنا سرنگونی ہے:

قولہ تعالیٰ: اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ (الفرقان:34)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مونہوں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جاویں گے۔

"روح میں ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ طبیعت کی جہت کی طرف متوجہ تھے اسی واسطے سرنگوں محشور ہوئے۔"

یعنی لوگ قدموں کے بل نہیں، مونہوں کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینکیں جائیں گے۔ فرماتے ہیں دنیا میں ان کا رخ اللہ کی طرف نہیں تھا اپنی خواہشات نفسانی کی طرف تھا، اپنی طبیعت کی طرف تھا۔ ان کی جہت اپنی طبیعت تھی اپنی خواہش نفس تھی، اللہ کی طرف ان کا رخ نہیں تھا لہٰذا جہنم میں ڈالتے وقت بھی ان کو اسی طرح الٹا دیا گیا جس طرح زندگی میں انہوں نے اپنے آپ کو الٹا چلایا۔

اتباع ھویٰ کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ (الفرقان:43)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفس کو بنا رکھا ہے۔

"اس میں خواہش نفسانی کے اتباع کی مذمت ہے اور اس سے اس قول کی اصل بھی نکل آئی کل ما شغلك عن الحق فهو طاغوتك"

فرماتے ہیں اس آیہ کریمہ میں یہ ثابت ہے کہ خواہشات نفس پہ نہیں چلنا چاہیے بلکہ عمل کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بنیاد ہونا چاہیے۔ اپنی پسند و ناپسند یا اپنی خواہش نفس نہیں ہونی چاہیے اور اس میں جو صوفیاء کا یہ قول ہے کل ما شغلك عن الحق فهو طاغوتك جو چیز اللہ کی طرف سے جدا کر کے اپنی طرف مصروف کر دے جس میں اللہ کی یاد نہ رہے اور اس میں مشغول ہو جاؤ تو وہی تمہارا شیطان ہے ھو طاغوتك وہی تمہارے لئے تمہارا شیطان ہے۔

ممکن وواجب کی تمثیل:

قولہ تعالیٰ: اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ (الفرقان:45)

ترجمہ: کیا تُو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی کہ ان نے سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے۔

"حاصل تقریر روح کا یہ ہے کہ نورِ حقیقی کا ماسوا کے واقع میں ظلمت ہے، ظل ہے اور صانع عالم جو کہ معطی نور وجود ہے شمس کے مشابہ ہے۔ اگر مشیت الٰہیہ ہوتی تو اس کو کتم عدم میں ساکن رکھتا مگر شمس کو اس کی دلیل یعنی شاہد بنایا گیا جیسے ارشاد ہے اولم یکف بربك انه علی كل

شئی شھید پھر بتدریج اس کو منقبض کر لیا جیسے ارشاد ہے کل شئی ھالك الا وجھه اور ممکنات کو ظل واجب کہنا قوم میں شائع ہے۔"

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ، تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی کس طرح سائیوں کو پھیلاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ہمیں سایہ بڑا پسند آتا ہے۔ گرمی میں ہم اس میں بیٹھتے ہیں لیکن کیا کوئی سایہ ایسا ہے جس میں دوام ہو۔ سورج نکلتا ہے تو اس طرف ہوتا ہے، دوپہر ہوتی ہے تو درخت کے نیچے آ جاتا ہے، سورج ڈھلتا ہے تو اس طرف چلا جاتا ہے، تو فرمایا اصل بات یہ ہے کہ سایہ تو اصل نہیں ہے اصل تو سورج ہے سورج چھپ جاتا ہے تو سایہ ہوتا ہی نہیں، تو فرماتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ اصل ذات باری ہے باقی ساری مخلوق ایسے ہے جیسے سورج نکلتا ہے تو سایہ آ جاتا ہے، سورج ڈھلتا ہے تو سایہ ڈھلنے لگتا ہے کس طرح سایہ پھیلتا ہے، سورج ڈوب جاتا ہے تو سایہ ختم ہو جاتا ہے تو حقیقتاً ذات باری باقی ہے۔ باقی ساری مخلوق پرتوِ جمال کا ایک سایہ ہے جسے جب چاہتا ہے، جہاں چاہتا ہے، جس حال میں چاہتا ہے اس حال میں رکھتا ہے اور اس پر یہ آیت بھی دلیل ہے اولم یکف بربك انه علی کل شئی شھید کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چھوٹی ہر بڑی بات پر خود گواہ ہے، شاہد ازل ہے، اسے دیکھ رہا ہے، اپنی مرضی سے چلا رہا ہے اور وہ جب چاہتا ہے اسے ختم بھی کر دیتا ہے، منقبض کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کل شئی ھالك الا وجھه ہر چیز تباہ ہو جائے گی سوائے اس کی اپنی ذات کے۔ ایک ذات اللہ کی ہے وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گی باقی ساری کائنات کی چیزیں سائے کی طرح ہیں کہ ایک سایہ ہے، آج یہاں ہے پھر وہاں ہے پھر وہاں سے بھی ختم ہو گیا۔ سو حاصل اس کا یہ ہے کہ دنیا کی لذتیں دنیا کے عہدے، دنیا کی باتیں وہاں تک حاصل کرو جہاں تک اللہ کریم اجازت دیں جس طریقے سے اللہ اور اللہ کا رسول اجازت دیں۔ وہاں تک تو وہ اللہ کی بات ہو گی اللہ کے حبیب ﷺ کی بات ہو گی وہ تو درست ہے لیکن دین کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے بھاگنا ایسا ہے جیسا کوئی مکان کو چھوڑ کر گھر کو چھوڑ کر، ایک دیوار کے سائے کی طرف بھاگ جائے یہ پر لطف ہے لیکن یہ تو ڈھلتی دھوپ کے ساتھ ڈھلتا جائے گا اور ایک دن ختم ہو جائے گا۔ تو دنیا کے سارے لوازمات بھی اس ڈھلتے سائے کی طرح آپ کے ہاتھ سے نکلتے چلے جائیں گے۔ ایک وقت آئے گا اگر اللہ نے کسی کو عمر دی، بڑھاپا آ گیا تو ایک وقت آئے گا کہ وہی گھر جو آپ نے بنایا اس میں لوگ آپ کو بیٹھنے نہیں دیں گے۔ بہوئیں آ جائیں گی نئے لوگ آ جائیں گے۔ وہ کہیں گے بابا کمرے خراب کرتا ہے، بابے کو بتاؤ مسجد میں چلا جائے دوپہر کو وہاں جا سوئے، کمرے میں کھانستا ہے۔ دولتمندوں کے ہاں بھی دولت کے وارث بیٹے بہوئیں اور پوتے بن جائیں گے ان کے اختیار میں کچھ نہیں رہے گا۔ یہ ڈھلتا سایہ ہے تو بندہ نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا رہا، تو دنیا کا حصول حدود شرعی کے اندر دنیا نہیں دین ہے۔ یعنی اتباع رسالت پناہی میں دنیا کا کام بھی دین ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا مسلمان کی دنیا بھی دین ہے اور کافر کا دین بھی دنیا ہے۔ کافر اگر مذہبی رسومات ادا کرتا ہے تو اس سے بھی اس کی مراد دنیا ہوتی ہے اور اب افسوس یہ ہے کہ یہ رسم مسلمانوں میں بھی در آئی ہے اور لوگ کہتے ہیں میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں لیکن میری دکان نہیں چلتی۔ نماز اللہ کا حکم ہے اگر پڑھتے ہو تو یہ اللہ کا احسان ہے جس نے آپ کو توفیق دی کہ آپ اس کے حکم کی پابندی کرتے ہیں، اس کا دکان کے چلنے نہ چلنے سے کیا تعلق ہے؟ اور اگر نماز دکان چلانے کے لئے پڑھتے ہو تو پھر اللہ کی عبادت تو نہ ہوئی پھر تو دنیا غرض ہو گئی۔ کہتے ہیں میرا بیٹا بیمار ہو گیا میں منزل بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، میں نے اتنے عمرے بھی کئے۔ میں نے کہا عبادت کو ان چیزوں سے منسلک کیوں کرتے ہو؟ کوئی تکلیف ہے تو اللہ سے دعا کرو، دنیوی علاج بھی کرو جائز وسائل اختیار کرو لیکن عبادت پر تو شکر ادا کرو کہ کم از کم ہر حال میں دکھ تکلیف میں بھی اس نے آپ کو سجدہ کرنے کی اور عبادت کرنے کی توفیق دے رکھی ہے۔

۞۞۞

اکرم التفاسیر

سورہ یٰسٓ آیات نمبر 11 تا 12

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ۚ

آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر عمل کرے اور رحمٰن (اللہ) سے بن دیکھے ڈرے

فَبَشِّرْہُ بِمَغْفِرَۃٍ وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی

سو اس کو بخشش اور بڑے عمدہ صلہ کی خوش خبری دیجئے۔ بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے

وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَھُمْ ۚ وَکُلَّ شَیْءٍ

اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو نشان پیچھے چھوڑ آئے ہیں ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں

اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ۔

دنیا میں ہمارا روز مرہ کا تجربہ ہے کہ کوئی آدمی خوش شکل ہو، وجیہہ ہو معزز ہو، محترم ہو، عالم و فاضل ہو، جاننے والا ہو اس کی آواز بھی اچھی ہو، الفاظ کی ادائیگی بھی خوبصورت ہو، بات بھی خوبصورت کرے تو ایک مخلوق متاثر ہوتی ہے، کہنے والے کی بات کا عجیب اثر ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ گانے بجانے والے لوگ ایک ایک مصرعہ پڑھتے ہیں تو مخلوق جھومتی رہتی ہے، حتیٰ کہ برسوں ہو گئے لوگ مر گئے، خاک میں مل گئے لیکن اب بھی لوگ ان کے ریکارڈ اور ان کے گانے بجا بجا کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے شعلہ بیان مقرر ہوئے ان کی تاریخ رہ جاتی ہے، مخلوق ان کی آواز سے متاثر ہو کر جان پر کھیل جاتی ہے۔ بڑے بڑے انقلاب آئے، انقلابی لیڈروں کی تقریریں آج بھی سنیں تو کیا جذبے تھے کہ جنہوں نے ایک مخلوق کو کھڑا کر دیا اور حکومتوں کے تختے تک الٹ دیئے، ملکوں کے نظام بدل دیئے۔ یہ سارا کچھ ہمارے سامنے ہوتا ہے ہمارا اپنا تجربہ ہے۔ لیکن کیا عجیب بات ہے کہ کہنے والا سب سے حسین تر ہو، بے مثل ہو، بے مثال ہو اُس جیسی دوسری صورت اللہ نے بنائی نہ ہو، جس کا حسن ظاہر بے مثال ہو، جس کا کمال باطن بھی بے مثال ہو، جو انبیاءؑ کا بھی سردار ہو، جس کی آواز کی شیرینی بھی بے مثل ہو، جس کی کوئی دوسری مثال نہ ہو، جس کے علوم کا کوئی کنارہ نہ ہو اللہ کی طرف سے جسے اتنے علوم دیئے گئے ہوں کہ جو اللہ جانے اور اللہ کا رسول ﷺ جانے۔ تمام ظاہری خوبیاں، تمام باطنی خوبیاں ہوں، پھر کلام ذات باری کا ہو، سنانے والی اللہ کی محبوب ہستی ﷺ ہو اور سننے والا متاثر نہ ہو! یہ کیسی عجیب بات ہے؟

اللہ کریم کا یہ نظام ہے۔ اللہ نے انسان کو اس کائنات کی افضل ترین مخلوق بنایا ہے، یہ خلاصہ کائنات ہے، باقی جو ساری مخلوق پیدا فرمائی ہے زمینوں پر، آسمانوں پر سب انسان کی خدمت پہ لگی ہوئی ہے۔ ساری مخلوق کی حیات و موت اور تگ و تاز کا حاصل انسان کی خدمت ہے۔ سب انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، روئے زمین کی ہر چیز انسان ہی کی خدمت کر رہی ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۃ (سورۃ البقرہ:29) زمین پہ جو کچھ ہے وہ صرف

تمہاری خاطر ہے۔

انسان کو شعور دیا استعداد دی، اور ایک عجیب استعداد دی جو باقی کسی مخلوق کو نہیں دی اور وہ ہے معرفتِ باری کی استعداد۔ اللہ کی ذات کو جاننے اور پہچاننے کی جو استعداد انسان کو عطا کی وہ انسان کے علاوہ کسی مخلوق میں نہیں۔ اسے اختیار دے دیا، ایک عجیب جوڑ لگایا کہ مادّی اجزاء کو عالمِ امر سے جوڑ دیا۔ انسان کا وجود مادّی ہے، اس کی روح امرِ ربی سے ہے۔ اب مادّے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مادی چیزوں کو فوری طور پر دیکھ لیتا ہے، جان لیتا ہے۔ چونکہ دنیا میں مادی جسم مکلّف بالذات ہے، روح اس کے تابع ہے۔ روح کو جو کچھ پہنچتا ہے جسم کی وساطت سے پہنچتا ہے سو مادّی چیزیں، مادّی منافع، مادّی سہولتیں مادّی لذتیں یہ تو فوری اس کی دسترس میں آتی ہیں۔

روح کو حیات نصیب ہو، روح کی صحت درست ہو، اسے واقعی بھوک لگے، اسے واقعی نیند آئے وہ واقعی جاگے، وہ زندہ حقیقت ہو تو پھر وہ اپنی خواہشات کا اظہار بھی کرے، چیزوں کو پسند بھی کرے ناپسند بھی کرے۔ تو یہاں اللہ کریم نے یہ دونوں خصوصیات عطا فرما کر بندے کو اختیار دے دیا۔ یہ چاہے تو اپنی روحانی حیات کے ساتھ زندہ رہے اور مجھ سے مزید انعام پائے، چاہے تو مادّے میں کھو جائے۔ روح کی حیات عظمتِ باری کے ادراک اور ایمان سے ہوتی ہے۔ اس کی صحت اطاعتِ الٰہی سے ہے۔ نہیں کرنا چاہتا تو نہ کر کے بھی دیکھ لے۔ اس کے پاس اختیار ہے۔ اس کی روزی بند نہیں کی جائے گی، اس کی زندگی نہیں چھینی جائے گی، اس کو مہلت اور فرصت دی جائے گی۔ وقت مقررہ پر سارے کام ہوں گے، اگر اس فرصت اور مہلت میں یہ واپس نہ آیا تو پھر اس نے اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا اسی پر اس کا انجام ہوگا۔ متکلم کا پرتو ذاتی ہوتا ہے اس کے کلام میں، جو بول رہا ہوتا ہے، جو بندہ بات کر رہا ہوتا ہے تو اس کی ذات کا ایک اثر اس کلام میں ہوتا ہے۔ جب اللہ کا ذاتی کلام ہے تو پرتو جمال کا امین ہے اور پھر وہ کلام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بندوں کو پہنچائیں اور آپ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان کی شیرینی بھی اس میں شامل ہو، آپ ﷺ کی برکات بھی شامل ہوں اور بندہ اس پر غور ہی نہ کرے، کیوں؟ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اس طرح کی آیات کو کافروں پر چسپاں کر دیتے ہیں، جو آیات مبارک اور اچھی آتی ہیں وہ صحابہؓ پر اور اولیاء اللہؒ پر چسپا کر دیتے ہیں، ہم خود الگ بیٹھے رہتے ہیں کہ ہمارے لیے شاید اس میں کچھ نہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کافروں پر اثر کیوں نہیں ہوتا تھا وہ اثر پذیر کیوں نہیں ہوتے تھے؟ اور کیا ہم ہوتے ہیں؟ دیکھنا یہ ہے کہ پانچ دفعہ بارگاہِ ایزدی سے، اللہ کے گھر سے آواز آتی ہے کیا ہم حاضر ہوتے ہیں؟ ہمارے پاس فرصت ہے یا نہیں، ہم پر کوئی اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ آقائے نامدار ﷺ نے پوری زندگی کا نظام دیا ہے حلال حرام، جائز ناجائز، تعلقات، معاملات ہر چیز پوری زندگی کا نصاب ہے۔ کیا ہم اس نظام کو اپنائے ہوئے ہیں؟ اگر نہیں تو ہم کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ اللہ کو کفار کے قصے بیان کرنے سے کیا دلچسپی ہے، اس کی بارگاہ میں تو ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں تو پھر ان کے حالات کیوں بیان کیے؟ اس لیے کیے جاتے ہیں کہ ہم اپنا اندازہ کر لیں کہ ہم اسلام میں ہیں، مسلمانوں کے ساتھ جا رہے ہیں یا ہم نے کہیں کفار کی عادتیں تو نہیں اپنا لیں۔

غالباً حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فقد عَرَفَ رَبَّهُ۔۔۔ جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے یقیناً اپنے پروردگار کو بھی پہچان لیا۔ اتنی بڑی صنعت ہے انسان کا اپنا وجود کہ کن کن ذرات کو کس کس Process سے گزار کر ان کا خلاصہ تیار کیا، پھر اس میں سے انسان کے وجود کا بیج بنایا، پھر انسان کو پیدا فرمایا، پھر اس میں کھربوں سیل رکھ دیئے۔ رات دن ان کی تعمیر، ان کی حیات، ان کی بیماری، ان کی موت، گویا ایک وجود کے اندر ایک کائنات آباد ہے۔ بادشاہ ہے یا گداگر دونوں کے وجود کا نظام ایک جیسا ہے، ایک جیسے سیل ہیں، ایک جیسی ان کی حیات وموت ہے، ایک جیسا نظام چل رہا ہے، دونوں کو وہ پال رہا ہے۔ تو اگر کوئی اپنی تخلیق پر ہی غور کر لے تو عظمتِ باری کا ادراک اسے نصیب ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی ہر طرف سے

بے دھیان ہو کر صرف خواہشاتِ نفس میں مبتلا ہو جائے اور ہوس کا اسیر ہو جائے تو اللہ کریم فرماتے ہیں: اے میرے حبیب (ﷺ)! تیری آواز کی شیرینی برحق، تیرے ارشادات کا نور برحق، تیرا دردِ دل برحق جو تو ہر بندے کے لیے چاہتا ہے کہ اسے ہدایت نصیب ہو جائے لیکن نصیب تو اس کو ہوگی جس کا دل نصیب کرنے کو چاہے گا۔ ایک مردہ پڑا ہے آپ اس کے سرہانے وعظ کرتے رہیں، نماز کا وقت ہو گیا ہے، یہ وضو کے لیے پانی رکھا ہے، یہ جائے نماز بچھا ہے وہ کیا کرے گا، آپ تلقین کرتے رہیں۔ جنہوں نے اپنے دلوں کو مردہ کر لیا ہے، جنہوں نے اپنی روحوں کو مردہ کر لیا ہے، جن کے وجود چلتی پھرتی قبریں بن گئی ہیں، ان میں مردہ روح ہے تو وہ آپ ﷺ کے ارشادات سے لطف اندوز کیسے ہوں گے، متاثر کیسے ہوں گے، سنیں گے کیسے، مانیں گے کیسے۔ اس لیے اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ ۔۔۔ آپؐ بہت پتے کی بات بتاتے ہیں۔ ''انذار'' ہوتا ہے کہ کسی کو آگے کی خبر کر دی جائے کہ جس راہ پہ تم جا رہے ہو اس راہ پر فلاں جگہ پر ڈاکو ہیں، چور ہیں، اژدھا ہیں مصیبت ہے، لوٹے جاؤ گے، مارے جاؤ گے، ابھی اس نے جانا ہے بڑی لمبی راہ ہے لیکن آپ نے یہاں بتا یا دیا تو وہ اپنا راستہ بدل لے گا۔

اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ''انذار'' ہوتا ہے کہ جو عقیدہ، جو عمل کر رہے ہو کل قبر میں جاؤ گے تو اس کا نتیجہ یہ خراب ہوگا، اس لیے اس رستے سے بچ جاؤ اور سلامتی کا راستہ اختیار کرو۔

اردو کا دامن چونکہ تنگ ہے یہاں ''انذار'' کا مطلب ڈر لکھ دیتے ہیں، یہ دراصل خطرے سے بروقت مطلع کرنا ہے، جدھر جا رہے ہو آگے بڑا خطرہ ہے، یہ راستہ بدل لو، یہ راستہ سلامتی کا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میرے حبیب، آپ ﷺ کے ارشاداتِ عالی میں مٹھاس بھی ہے لذت بھی ہے، شیرینی بھی ہے، حقیقت بھی ہے حق بھی ہے، نور بھی ہے لیکن وصول کرنے والے میں بھی تو کوئی زندگی کی رمق باقی ہو۔ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ ۔۔۔ جو اللہ کی نصیحت کا اتباع کرتے ہیں، اللہ کے ارشادات کو مانتے ہیں، جو ایمان لاتے ہیں، جن کے دل میں اللہ کی عظمت کا کوئی احساس ہوتا ہے تو ان پر آپ کی بات بھی اثر کرتی ہے ان کو سنائی دیتی ہے، انہیں اس کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ وَخَشِيَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ ۚ ۔۔۔ اور غائبانہ چونکہ اللہ کی ذات کا ادراک انسان کے بس میں نہیں ہے، نہ اللہ کو دیکھ سکتا ہے، نہ اللہ کو سن سکتا ہے، نہ اللہ کی مثال کوئی دے سکتا ہے، نہ کوئی مثل بیان کر سکتا ہے تو پھر اللہ کو کیسے مانے؟ فرمایا اللہ کے نبیوںؑ کی دی ہوئی اطلاع اور خبر پر یقین رکھتا ہے۔ جو صفات انبیاءؑ نے فرمائی ہیں ان کو دیکھ کر، کائنات کو دیکھ کر، مخلوق کو دیکھ کر، خالق کی عظمت کا قائل ہو جاتا ہے۔ تو جس میں یہ دو باتیں ہوں گی کہ غائبانہ اللہ کی عظمت کا احساس ہوگا اور اللہ کی بات کو ماننا چاہے گا یعنی اس میں انابت ہوگی۔ انابت کہتے ہیں خلوصِ دل سے متوجہ ہونا۔ جو اللہ کی طرف اُمید لگائے گا، اسے نہیں پتا اللہ کیسا ہے، اللہ کہاں ہے، اسے نہیں پتا اللہ کا حکم کیا ہے لیکن اس کے دل میں ایک تمنا پیدا ہو گئی، ایک Urge پیدا ہو گئی، خواہش و آرزو ہو گئی کہ مجھے اللہ کا پتا ملے۔ میرا مالک جس نے مجھے پیدا کیا، جس نے مجھے یہ نعمتیں دیں وہ کیسا ہے، میں اسے کیسے راضی کر سکتا ہوں، میں اسے کس طرح خوش کر سکتا ہوں۔ جہاں انابت ہوتی ہے میرے حبیب (ﷺ)! وہاں تو آپ (ﷺ) کے ارشادات گل و گلزار بنا دیتے ہیں اور جہاں زمین میں چٹانیں ہوں، چٹیل ہو، کلر زدہ ہو، بیمار ہو وہاں آپ ﷺ کے ارشادات سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَخَشِيَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ ۚ ۔۔۔ کمال ہے! خشیت ایک کیفیت ہوتی ہے، یہاں بھی ڈر ہی لکھ دیا جاتا ہے، اللہ سے بن دیکھے ڈرتے ہوں۔ خشیت ایک عام ڈر نہیں ہوتا، خشیت کسی خطرے سے ڈر نہیں ہوتا، کسی مصیبت سے ڈر نہیں ہوتا، کسی دشمن سے ڈر نہیں ہوتا، خشیت ہوتی ہے رشتوں میں دراڑ آنے کا ڈر۔ جب اللہ کریم سے تعلق پیدا ہو تو پھر ایک خطرہ ہوتا ہے کہ میرے کسی قول، میرے کسی فعل، میری کسی سوچ سے میرا جو اللہ سے بندگی کا تعلق

بن گیا ہے کہ وہ میرا مالک ہے میں اس کا بندہ ہوں، کہیں اس میں دراڑ نہ آجائے کہیں میرا مالک خفا نہ ہوجائے، یہ خشیت ہوتی ہے فرمایا: وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ --- یہ ڈر اگر دشمنی کا یا مصیبت کا ہوتا تو آگے رحمٰن نہ آتا۔ سب سے بڑا مہربان جو ہے تو مہربان سے ڈرنا کیا معنی؟ وہ تو رحمٰن ہے، بہت بڑا رحم کرنے والا تو پھر ڈر یہ ہے کہ جو میرا اس سے رشتہ ہے اس میں بال نہ آجائے۔ خشیت وہاں ہوگی جہاں رحمانیت ہوگی۔ جس سے اُمیدیں وابستہ ہوں گی، جس سے ہمیں انعامات اور نعمتیں مل رہے ہوں گے، وہاں ہی خشیت اور یہ خطرہ ہوگا کہ کہیں میں اس کریم کو خفا نہ کر بیٹھوں۔ فرمایا، میرے حبیب ﷺ جو میری پرواہ نہیں کرتے میں ان کو آپ ﷺ کے ارشاداتِ عالی سننے سے محروم کر دیتا ہوں۔ توفیق ہی انہیں نصیب ہوتی ہے جن کے دل میں عظمتِ الٰہی جگہ پاتی ہے۔

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ --- اور جو آپ ﷺ کی بات سنے آپ ﷺ کی نصیحت حاصل کرے جو آپ ﷺ کا دامن تھام لے تو بات تعلقات کی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں رواج ہے، میرا خیال ہے، میں سمجھتا ہوں غلط بھی ہوسکتا ہے کہ پاکستان کا ہر آدمی یورپ، امریکہ اور مغربی ممالک میں یا مڈل ایسٹ میں جانے کو تیار بیٹھا ہے۔ جسے کہو وہی تیار بیٹھا ہے، اگر انہیں موقع ملے تو شاید یہ ملک خالی کر جائیں، سارے چلے جائیں۔ تو ہمارے اکثر لوگ امریکہ میں ہیں، یورپ میں ہیں۔ اب یہاں جن کے ساتھ ان کا تعلق ہے، وہ یہاں کوئی کام ہوتا ہے، کسی کی شادی غمی ہوتی ہے، کوئی الیکشن ووٹ تو وہ کہتے ہیں یار اس سے پوچھ کر کریں گے یہ نہ ہو کہ وہ خفا ہوجائے۔ وہ امریکہ میں بیٹھا ہے تم نے یہاں ووٹ لینا ہے، وہ امریکہ میں بیٹھا ہے شادی یہاں ہو رہی ہے تم نے یہاں شرکت کرنی ہے، جنازہ یہاں ہے، نہیں بھئی! اس سے بات کریں گے اگر وہ کہے گا تو پھر، وہ ناراض نہ ہو۔ جس طرح یہ تعلق بن جاتا ہے، رشتہ داروں، عزیزوں سے اگر اس طرح کا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ سے بن جائے تو پھر زندگی اسلام میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ بات مانو، ہاں، ضرور مانیں گے اگر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر حضور ﷺ اسے ماننے کا حکم دیں تو ضرور مانیں گے۔ ورنہ نہیں! کیونکہ حضور ﷺ خفا ہوجائیں اور میں آپ کی بات مانوں! یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کام کرو، ضرور کریں گے اگر حضور ﷺ نے کرنے کا حکم دیا، حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی تو کریں گے، اللہ کے نبی ﷺ اجازت نہ دیں تو آپ ناراض ہوتے ہیں تو ہوجائیں، میں نبی کریم ﷺ کو ناراض نہیں کرسکتا۔ بھئی! یہ انداز ہے زندگی گزارنے کا، تو فرمایا جو اس ڈھب پہ آجائے، آپ ﷺ کا دامن تھام لے اور کام میں بھی، عقیدے میں بھی، نظریئے میں، روزمرہ کے امور میں اس بات کا احساس رکھے کہ ایسا کچھ نہ کہو، ایسا کچھ نہ کرو جس سے میرے نبی ﷺ خفا ہوں۔ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ --- اسے آپ بخشش کی بشارت دے دیجئے کہ میں نے اسے بخش دیا۔ میں نے اسے بخش دیا یعنی اس سے اگر کوئی کوتاہیاں بتقاضائے بشریت ہوگئیں، کوئی کمی رہ گئی، کوئی قصور ہوگیا وہ بھی بخش دیا، وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ --- اور بے پناہ انعامات کی بشارت دی۔ میں اسے وہ کچھ دوں گا جو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ اب اللہ کا وعدہ بھی سامنے ہے، نبی کریم ﷺ کا قرب بھی سامنے ہے، راستہ بھی واضح ہے انتخاب بندے پر ہے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى --- جو آپ کا دامن نہیں تھامے گا کیا وہ کہیں بھاگ سکے گا؟ اللہ کی گرفت سے کہیں روپوش ہوجائے گا؟ نہیں۔

فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى --- ہم یقیناً مردوں کو بھی زندہ کریں گے۔ دنیا سے تو مر کے ہی جائے گا تو مر کر کہاں جائے گا؟ فرمایا: میری بارگاہ میں ہی آئے گا میں اسے دوبارہ زندہ کروں گا اور جو کچھ زندگی میں اس نے سوچا، جو کیا، جو بولا، جس پر عمل کیا وہ سب ہم نے لکھ لیا۔ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ --- جو اعمال اس نے کر کے آگے بھیجے وہ بھی ہم نے لکھ لیے، جو کام اس نے ایسے کیے جن کا اثر پیچھے بھی رہ

گیا وہ بھی لکھے گئے۔ اگر کسی نے کوئی ایسی نیکی کی کہ کوئی شفاخانہ بنایا، کوئی کنواں بنادیا، کوئی اسکول اور مدرسہ، کوئی دینی کام، کوئی مسجد بنادی جب تک اس میں اللہ اللہ ہوتی رہے گی اس کا اجرا سے بھی جاتا رہے گا۔ اگر کسی نے کوئی بدعت کی، برائی کی، گناہ کی بنیاد رکھی اور جب تک وہ گناہ چلتا رہے گا اس کی ذمہ داری اس پر بھی جاتی رہے گی۔ فرمایا، جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا وہ بھی لکھا ہوا ہے، جو آثار روئے زمین پر اور دنیا میں چھوڑ آئے، جب تک وہ کام کرتے رہیں گے وہ بھی ہمارے پاس موجود ہیں، کچھ پوچھنا نہیں پڑے گا۔ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔۔۔ اور ان سے پہلے ایک روشن اور واضح کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں سارا کچھ لکھا ہوا، محفوظ ہے، کوئی کسی سے پوچھنے یا تلاش کرنے یا تفتیش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میدانِ حشر میں اللہ نے کوئی پولیس تھانے بنا رکھے ہیں وہ ایک ایک مجرم کو لے کر جائیں گے اور بڑی مار پڑ لے جائیں گے اور تفتیش کریں گے فرمایا، نہیں! اس کی ضرورت نہیں ہے، سب کچھ لکھا ہوا موجود ہے، جو کرے گا وہ بھرے گا۔ یہ تو بڑا مشکل کام ہوگا، زندگی ہے، میری مجبوریاں ہیں، خواہشات ہیں، آرزوئیں ہیں۔ اللہ کریم جل شانہٗ ہمارے علم، ہمارے ادراک، ہماری عقل سے وڑی الوڑی ہے، فرمایا، میں نے انسان کو اندھیروں میں نہیں چھوڑا۔ دنیا کے لیے تمہیں کون بلاتا ہے، دنیا کا داعی تو شیطان ہے پھر اس کے پیروکار ہیں، بدکار اور برے لوگ تمہیں گناہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اطاعتِ الٰہی کو چھوڑ کر اتباعِ رسالت کو چھوڑ کر، محض دنیاوی لذات میں بلانے والے کون ہیں؟ چوراچکے، بدمعاش، شرابی، زانی، فاسق فاجر۔ اور شیطان کے چیلے اُدھر بھاگ پڑتے ہیں۔ میں نے انسان کو بلانے کے لیے انبیاء مبعوث فرمائے جو مقدس ترین ہستیاں اور حاملانِ وحی ہیں، پھر انہیں اپنے کلام سے نوازا اور تمہارے پاس بھیجا۔ تم اندازہ کرو جرم پھر کس کا بنتا ہے، مجرم کون ہے؟ جو شیطان کی سنتا ہے وہ ہے۔ انسان خود مجرم ہے۔ اس نے برا کیا۔

صفحہ نمبر 20 سے آگے

اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، استقامت الی الدین نصیب فرما، برکات نبوت سے سینے اور دل روشن فرما، توفیقِ عمل عطا فرما، استقامت پہ زندہ رکھ دین پر موت نصیب فرما، دین داروں کے ساتھ حشر فرما، ان کاشانوں کو آباد رکھ، اپنے ذکر کرنے والوں اور اپنے یاد کرنے والوں اور اپنے مجاہدین سے آباد رکھ، تُو ہر چیز پہ قادر ہے، ہماری لغزشیں ہماری خطائیں ہماری بھول چوک اللہ معاف کردے (آمین) تُو جانتا ہے ہم اپنے گناہوں سے بھی بے خبر ہیں، تُو ہماری خطائیں معاف فرما، دنیوی دکھوں تکلیفوں سے بھی تیری پناہ چاہتے ہیں، کمزور لوگ ہیں اللہ کریم ہم نام کے مجاہدے کرتے ہیں تُو اسے کام کا مجاہدہ بنادے، تُو قادر ہے تیری بارگاہ سے اُمیدیں وابستہ ہیں، بارگاہِ رسالت کی حاضری نصیب فرما، زندگی موت مابعد الموت یہ سعادت نصیب فرما۔

دعائے مغفرت

1۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی شفاقت علی
2۔ منڈی بہاؤالدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اسلم کا بیٹا عبدالواحد
3۔ گکھڑ، گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی جاوید اختر کے والد محترم
4۔ جہلم سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سرمد علی چوہدری کے والد محترم
5۔ واہ کینٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حکیم نذیر احمد کی والدہ محترمہ، یہ بھی ساتھی تھیں
6۔ گوجرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سجاد احمد کے والد محترم
7۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی فرید اللہ خان
8۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سیف اللہ کے والد محترم
9۔ جڑانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر مظفر حسین
10۔ پنڈ دادنخان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اسلم کی والدہ محترمہ
11۔ جنڈ، ضلع اٹک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی جاوید اختر کی والدہ محترمہ

وفات پاگئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

16 مئی 2015ء

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سوال:

تجلیاتِ صفاتی بھی تو اللہ تعالیٰ کی ہی صفات ہیں پھر تجلیاتِ ذاتی کو تجلیاتِ صفاتی سے الگ کیوں سمجھا جاتا ہے؟

جواب:

گذارش یہ ہے کہ ذات الگ ہوتی ہے اور صفات الگ ہوتی ہیں ہر فرد کی۔ مخلوق میں بھی دیکھ لیں، ہر فرد کی ایک ذات ہے اور پھر اس کی صفات ہیں اور صفات ہر مخلوق میں تو الگ الگ ہیں۔ کوئی عالم ہے، کوئی نہیں ہے۔ کوئی دانشور ہے، کسی میں اتنا شعور نہیں ہے۔ کوئی طبیب ہے، ڈاکٹر ہے، دوسرا نہیں ہے۔ صفات الگ الگ ہیں۔ اللہ کریم جل شانہٗ کی ذات قدیم ہے۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشگی ان کے لیے ہے۔ اس کی صفات بھی قدیم ہیں ہمیشہ سے، ہمیشگی ان کے لیے ہے لیکن صفاتِ باری تعالیٰ الگ ہیں۔ صفات ذات سے متعلق ہوتی ہیں۔ اللہ کریم اپنی تمام صفات میں کامل واکمل ہے، اس کی صفات اس کی شان کے مطابق ہیں۔ اس کی صفات کے مظاہر تو کائنات میں موجود ہیں۔ وہ خالق ہے، ساری مخلوق اس کی خالقیت پہ گواہ ہے۔ خالق ہونا اس کی صفت ہے، رازق ہونا اس کی صفت ہے ساری مخلوق گواہ ہے، ساری مخلوق رزق پا رہی ہے۔ ربوبیت صفت ہے اس کی، ساری مخلوق پل رہی ہے۔ ذات کا حصہ ہوتی ہیں صفات لیکن ذات سے الگ ہوتی ہیں۔ اب صفت کے مظاہر تو ہیں لیکن اس کی ذات اتنی عظیم ہے کہ اس کی ذات کی ہلکی سی تجلی شاید کائنات بھی نہ برداشت کر سکے۔

سوال:

نبوت کا خاصہ ہے کہ معیتِ باری ہر نبیؑ کو ہر آن حاصل رہتی ہے۔ براہ کرم یہ فرما دیجئے کہ معیتِ ذاتی اور معیتِ صفاتی میں کیا فرق ہے؟

جواب:

وہی جو میں عرض کر چکا ہوں۔ معیتِ ذاتی یہ ہے کہ اللہ کی تجلیاتِ ذاتی کا ساتھ نصیب ہو اور معیتِ صفاتی یہ ہے کہ اس کی تجلیاتِ صفاتی ہم رکاب ہوں۔ تو ہر نبیؑ کی ذات کو معیتِ صفاتی نصیب ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم میں انبیاءؑ کی معیت کا ذکر آیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل نکلے تو پیچھے فرعون لشکر لے کر نکلا۔ جب انہوں نے گرد اڑتی دیکھی اور لشکر کو قریب آتے دیکھا تو چلّا اٹھے۔ اِنَّا لَمُدۡرَکُوۡنَ (الشعراء: 61)۔۔۔ آگے سمندر ہے پیچھے فرعون کا لشکر آ رہا ہے۔ ہم پکڑے گئے! تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ (الشعراء: 62)۔۔۔ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے مجھے اللہ کی معیت حاصل ہے، وہ میرے لیے راستہ بنا دے گا تو وہاں صفتِ الٰہی کا ذکر ہوا، ربوبیت صفت ہے۔ یعنی نبیؑ کی ذات ہوتی ہے اور اللہ کی صفات کی معیت ہوتی ہے۔ نبیؑ کو اس طرح جس کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ کی معیتِ صفاتی ساتھ ہوتی ہے، اللہ مدد فرماتا ہے۔ جہاں تک معیتِ ذاتی کا تعلق ہے۔ تو اللہ کے جن بندوں کو معیتِ ذاتی

نصیب ہوتی ہے ان کی صفات ہوتی ہیں۔ اُدھر ذاتِ الٰہی ہوتی ہے اِدھر صفات ہوتی ہیں۔ اُن صفات میں تغیر آ جائے تو معیت چلی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرہ:195)۔۔۔بے شک اللہ محسنین کو دوست رکھتے ہیں جو انتہائی خلوص سے اللہ کی یاد کرنے والے، اللہ کی اطاعت کرنے والے، اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں، لیکن جب تک وہ محسنین رہیں گے، معیت رہے گی۔ اگر صفت احسان میں تغیر آ گیا تو معیت سے محروم ہو جائیں گے۔ تو ایک طرف معیتِ ذاتی ہے دوسری طرف انسانی صفات ہیں چونکہ نبیؑ کی ذات کو معیت حاصل ہوتی ہے، اس لیے اُدھر معیت صفاتی ہے۔ باقی اہل اللہ کو معیتِ ذاتی کا کوئی نہ کوئی شمہ ان کی قسمت کے مطابق نصیب ہوتا ہے۔ لیکن وہاں صفات ہوتی ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ:153)۔۔۔ یعنی صبر رہے تو معیت رہے گی۔ کہیں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو معیت نہیں رہے گی۔

پوری انسانیت میں آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان دنیا میں گزر چکے ہیں، موجود ہیں یا آئیں گے، ان میں صرف دو ہستیاں ایسی ہیں جن کی ذاتِ مقدسہ کو اللہ کی ذاتی معیت حاصل ہے۔ انبیاءؑ میں آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور غیر انبیا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ جبکہ دونوں غارِ ثور میں تھے۔ مشرکین دروازے تک پہنچ گئے تو آیتِ کریمہ سورۂ توبہ میں آج بھی موجود ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ؗ (التوبہ:40) اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اِدھر بھی ذات ہے اِنَّ اللّٰہَ۔۔۔ کوئی صفت نہیں، رب کی بات نہیں یا اس کی طاقت کی یا علم کی یا کسی صفت کی نہیں اللہ کی ذات کی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ۔۔۔ یقیناً اللہ، مَعَنَا ؗ۔۔۔ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ ادھر بھی ذات ہے، دونوں ذاتیں ہیں۔ اِدھر بھی ذات ہے۔ تو معیتِ ذاتی کا ہونا انتہائی بلند مقام ہے کہ کسی کی ذات کو نصیب ہو اور پوری انسانیت میں صرف دو ہستیاں ہیں۔ انبیاءؑ میں آقائے نامدار ﷺ اور غیر انبیاء میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سوال:

ایمان کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔ علم الیقین تو ہو گیا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر کُلّی یقین۔ وضاحت فرما دیجیے کہ عین الیقین اور حق الیقین میں کیا فرق ہے؟

جواب:

یقین کے یہ تینوں درجے قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین، علم الیقین یہ ہوتا ہے جیسے یہاں لکھ دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے بتایا، ہم اس پر ایمان لائے۔ علم الیقین حاصل ہو گیا۔ مثال کے طور پر آپ یہاں سے دیکھتے ہیں کہ وہاں سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ اب وہ دھواں اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں آگ ہے۔ آگ ہو گی تو دھواں اٹھے گا۔ یہ علم الیقین ہے۔ عین الیقین یہ ہے کہ آپ چلے جائیں وہاں جہاں سے دھواں اٹھ رہا ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آگ جل رہی ہے۔ یہ عین الیقین ہے۔ حق الیقین یہ ہے کہ آپ کو کوئی دھکا دے کر اس آگ میں پھینک دے اور آپ کے جسم پر چھالے نکل آئیں، جل جائے اور پتا چل جائے کہ واقعی آگ ہے۔ تو علم الیقین ہے دلیل سے جاننا۔ عین الیقین ہے اپنی آنکھ سے دیکھ لینا۔ حق الیقین ہے اس چیز کو برت لینا۔ تو یہ سارے درجے قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ علم الیقین ایمان کا پہلا درجہ ہے اور اللہ ہر ایک کو نصیب کرے۔ جب حضور ﷺ نے فرما دیا کہ وہ حق ہے اور اس پہ یقین آ گیا۔ بعض لوگوں کو جب اللہ مشاہدات یا کیفیات عطا فرماتے ہیں تو انہیں مشاہدہ بھی کرا دیتے ہیں وہ عین الیقین ہے لیکن جب ہم آخرت میں جائیں گے اور آخرت وارد ہو گی تو حق الیقین نصیب ہو گا پھر پتا چلے گا کہ حقائق یہ ہیں۔ اس طرح علم کے تین درجے ہیں اور یہی علم ہی ایمان ہے اگر اس پر یقین کر لیا جائے۔

سوال:

اکثر ایک اصطلاح استعمال کی جاتی ہے صاحبِ بصیرت، جس کا مطلب قلب کی آنکھ لیا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قلب کی بھی آنکھ، دماغ یا زبان ہوتی ہے؟

جواب:

جی آج تو سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ وہ یہ بات مانتی ہے کہ قلب سوچتا بھی ہے، سمجھتا بھی ہے، سنتا بھی ہے، بتاتا بھی ہے اور قلب ہی فیصلے کرتا ہے۔ دماغ اس کے فیصلوں پہ اعضاء وجوارح سے عمل کراتا ہے۔ تو اصل فیصلے قلب ہی کرتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کا نزول آقائے نامدار ﷺ کے قلبِ اطہر پر ہوا۔ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۝ (الشعرآء: 194)۔۔۔ آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر قرآن نازل ہوا۔ حالانکہ آپ کا دماغِ عالی بھی کائنات میں بے مثل ومثال ہے۔ جیسے آپ ﷺ کی ذات کا کوئی ثانی نہیں اسی طرح آپ ﷺ کی صفات کا بھی کائنات میں کوئی ثانی نہیں۔ مخلوق میں کوئی دوسرا ایسا دماغ نہیں رکھتا جیسا حضور ﷺ کا تھا۔ لیکن قرآن قلبِ اطہر پر نازل ہوا۔ قلب سوچتا بھی ہے، سنتا بھی ہے بولتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ کوئی اس کی طرف توجہ بھی دے۔ قلب کی حیات کا دارومدار ہوتا ہے ایمان پر۔ ایمان نصیب نہ ہو تو قلب میں روح پیدا نہیں ہوتی۔ ایک ٹھوس میت کی طرح ہوتا ہے۔ نورِ ایمان اس کی روح ہے اور شریعتِ اسلامیہ اور شریعتِ آقائے نامدار ﷺ پر خلوصِ دل سے عمل کرنا اس کی غذا بھی ہے، اس کی دوا بھی ہے۔ اگر نورِ ایمان نصیب ہو اور توفیقِ الٰہی، خلوص سے شریعت پر عمل بھی نصیب ہو تو اس میں بھی حیات پیدا ہو جاتی ہے پھر فیصلے یہ کرتا ہے اور صحیح فیصلے کرتا ہے۔ اگر نورِ ایمان ہی نصیب نہ ہو تو یہ مردہ رہتا ہے، قرآنِ کریم اسے مردہ کہتا ہے، اندھا کہتا ہے، بہرا کہتا ہے، گونگا کہتا ہے۔ یہ لوگ جنہیں قرآن نے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ گونگے ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں کہا ہے، یہ لوگ کوئی گونگے، بہرے، اندھے بظاہر نہیں تھے۔ سارے مشرکین وکفار سنتے بھی تھے بولتے بھی تھے لیکن چونکہ حق سن نہیں سکتے تھے، حق سمجھ نہیں سکتے تھے، حق بولتے نہیں تھے تو قرآنِ کریم نے فرمایا: ناحق بولے تو کیا بولے؟ ناحق سنا تو کیا سنا؟ اس لیے انہیں اندھا، بہرا کہا گیا۔ اگر یہ نصیب نہ ہو تو پھر فیصلے نفس کے ہوتے ہیں۔ نفس انسان پر غالب رہتا ہے۔ وہ مادّی اور دنیاوی لذت کے اور برائیوں کے فیصلے کرتا ہے۔ قلب اگر زندہ ہو تو قلب اللہ کی رضا کے اور نیکی کے اور حق کے فیصلے کرتا ہے۔ لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم نے، اکثریت نے یہ موضوع چھوڑ ہی دیا ہے الاّ ماشاء اللہ اور بہت تھوڑے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جو اس طرف متوجہ ہوں حالانکہ یہ زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ قلب میں حیات ہو تو پھر اسے نگاہ بھی عطا ہو جاتی ہے۔ بصیرت سے مراد ہوتی ہے کہ ان اعمال وافعال کے اندر جو کیفیات ہیں ان پر یقین ہو، وہ سمجھ آ جائیں، وہ نظر آ جائیں۔ ایک آدمی کو ایک لذیذ کھانا ملتا ہے وہ کھا لیتا ہے، مادّی طور پر بڑی لذت بھی ملتی ہے، پیٹ بھی بھر جاتا ہے۔ لیکن جب بصیرت ہوتی ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ حلال بھی ہے کہ نہیں، پاک ہے یا ناپاک ہے، اس کے کھانے سے قلب پر، مزاج پر، باطن پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ جب عنداللہ جواب دینا ہوگا تو اس وقت کیا صورتحال ہوگی؟ یہ بصیرت ہے۔ اس کی ظاہری لذت کو، اس کی رنگت کو، اس کے ذائقے کو دیکھ کر کھا لینا یہ بصارت ہے۔ ظاہری آنکھ سے دیکھنا یہ قوت ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے۔ بصیرت قلب زندہ کو نصیب ہوتی ہے زندہ بھی ہو، صحتمند بھی ہو، تکڑا بھی ہو۔ نورِ ایمان زندگی ہے، کردار غذا اور دوا ہے۔ ایک بندہ زندہ بھی ہو لیکن اٹھ نہ سکتا ہو، بیٹھ نہ سکتا ہو۔ چل پھر نہ سکتا ہو، کھا پی نہ سکتا ہو تو وہ کیا فیصلے کرے گا؟ اس لیے ضروری ہے کہ قلب زندہ بھی ہو اور بائعمل بھی ہو، ایکٹو (Active) ہو صحت مند ہو، تکڑا ہو تو پھر پتا چلتا ہے کہ یہ سوچتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے کام بھی کرتا ہے۔

سوال:

شیخ سے حصولِ فیض کی اساس کیا ہے؟ اور کیا انبیائے کرام سے حصولِ فیض کی بھی یہی اساس تھی؟

جواب:

انبیائے کرام علیہ مرسلات والسلام بنیاد ہیں۔ ہر نبیؑ بنیاد ہوتا ہے اپنے لائے ہوئے دین کی، اللہ کے دین کی۔ نبی اور اُمت کا تعلق یہ ہوتا ہے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا جو نبیؑ نے فرمادیا اُمت کا کام ہے وہ سنے اور اس پر عمل کرے۔ اس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نبیؑ جو فرماتا ہے وہ اللہ کی طرف سے فرماتا ہے۔ کوئی بھی اللہ کا نبیؑ دین کے معاملات میں اپنی طرف سے فیصلہ نہیں فرماتا وہی بات ارشاد فرماتا ہے جو اللہ کریم اسے ارشاد فرماتے ہیں، حکم دیتے ہیں، پہنچانے کا حکم دیتے ہیں۔ لہٰذا اسلام یہ ہے کہ نبی ﷺ کے ارشاد کو بلا چوں وچرا تسلیم کیا جائے۔ مشرکین نے جب اعتراض کیے کہ اسلام کے عجیب عجیب احکام ہیں اور اس میں نقصان ہے۔ روزہ ہے، سارا دن خوانخواہ بھوکے پیاسے رہو، گھر میں کھانا بھی ہے، حلال کمایا ہے تو سارا دن بھوکے پیاسے کیوں رہو؟ جائز کھانا بھی ہے، اپنا مال ہے، یہ کون سا اسلام ہوگیا؟ آپ نے محنت سے دولت کمائی، اب اس پر زکوٰۃ بانٹو غریبوں میں۔ غریبوں نے ہماری کون سی مدد کی تھی جب ہمارا نقصان ہوگیا تھا۔ کفار ومشرکین نے اس طرح کے اعتراض کیے تو قرآن کریم میں اللہ نے جواب دیا کہ اگر میں نبیؑ کی زبانی یہ حکم دے دیتا کہ اپنے گلے کاٹو، اپنے آپ کو قتل کردو تو جسے اسلام منظور ہے وہ اپنے سینے میں تلوار مارلے یا چھرا گھونپ لے اور اپنے آپ کو قتل کردے تو یقیناً وہی کامیاب ہوتے جو خود کو قتل کردیتے۔ اُنہی پر اللہ کی رحمت ہوتی۔ یہاں سوال کسی دنیاوی نفع ونقصان کا نہیں ہے یہاں سوال اللہ کا حکم سننے اور ماننے کا ہے کہ کیا ارشاد فرمایا گیا اور وہ بلا چوں وچرا ماننا ہے۔

بیعت دو طرح کی ہیں۔ ایک ہم ظاہری بیعت کرتے ہیں، اصلاحِ احوال کے لیے اور وہ بہت اچھی بات ہے۔ کوئی ایسا نیک آدمی جو ضروریاتِ دین سے واقف ہو، روزمرہ کے امور حلال وحرام، جائز ناجائز جانتا ہو اس سے بیعتِ اصلاح کرلی جائے اور اس کے مشورے سے کام کیے جائیں تاکہ بندہ صراطِ مستقیم پہ رہے۔ یہ ظاہری بیعت کا حاصل ہے۔ دوسری جو بیعت تصوف یا روحانی ہے، یہ اس بندے سے کی جاسکتی ہے جسے خود مقامات حاصل ہوں اور قوتِ روحانی حاصل ہو کہ طالب کو بارگاہِ رسالت میں روحانی بیعت کراسکتا ہو۔ یہاں جب آئیں گے تو ایک پابندی بڑھ جائے گی۔ وہ یہ ہوگی کہ شیخ کا حکم شریعت کے مطابق ہو۔ نبیؑ جو فرمادے اس پہ یقین ہو کہ جو نبی ﷺ نے فرمایا یہی اللہ کریم کا حکم ہے۔ شیخ پہ جب بات آئے گی تو یہ قید لگ جائے گی کہ شیخ کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتا جو خلافِ شریعت ہو اور اس کا ماننا بھی ضروری نہیں۔ شریعت مقدم ہے۔ اگر شیخ سے غلطی ہوگئی ہے، وہ کام خلافِ شریعت کر رہا ہے یا خلافِ شریعت کرنے کو کہتا ہے تو اس کا ماننا ضروری نہیں اور اگر واقعی شیخ ہو تو ایسا نہیں کرے گا وہ پابند ہے اتباعِ شریعت کا۔ دائرہ شریعت کے اندر شیخ کا اشارہ کافی ہے جو وہ کہے، وہ کرنا پڑتا ہے اور خلوص دل سے کرنا پڑتا ہے۔ بظاہر کرتے بھی رہیں اور دل میں خدشہ ہو تو فائدہ نہیں ہے۔ بظاہر آپ اسی بات پہ عمل بھی کرتے رہیں لیکن دل مطمئن نہ ہو اور دل میں اعتراضات ہوں، وساوس ہوں تو فائدہ نہیں ہوتا۔ برسوں محنت کے بعد بھی آدمی ویسے کا ویسا، چٹیل اور خالی رہ جاتا ہے۔

عہدِ حاضر میں حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثال مشائخ میں نہیں ملتی۔ اپنے عہد کے عجیب ترین اور واحد شخص تھے جنہیں اللہ نے اس رتبے سے نوازا کہ ابھی تک مخلوق ان کی برکات سے مستفید ہوتی جارہی ہے۔ ان کے ساتھ بھی لوگ رہے اور برسوں رہے اور ان کی وفات تک رہے۔ پھر وہ کیوں ضائع ہوگئے؟ مراقبات بھی انہیں حاصل تھے۔ پھر کیوں ضائع ہوگئے؟ شیخ کے ساتھ جب بندہ ہوتا ہے تو ایسے ہوتا ہے جیسے دریا میں ہو۔ اب کوئی بندہ دریا سے گزر رہا ہے، عبور کررہا ہے تو اس کے پاس پانی کی کمی تو نہیں ہے۔ پانی ہی پانی ہے۔ ہر طرف دریا بہہ رہا ہے۔ جب وہ کنارے پہ نکلے گا تو اتنا پانی ہوگا اس کے ساتھ جتنا وہ سمو سکتا ہے۔ اب اس کے لباس میں جتنا پانی آگیا ہوا تنا ہی پانی باہر جائے گا، دریا تو باہر نہیں جائے گا۔ اگر اس کے پاس برتن ہے، اس برتن میں

جتنا پانی ہے وہ اس کے پاس ہے، تو جب شیخ سے الگ ہوتے ہیں تو وہی ہوتا ہے جو انہوں نے حاصل کیا۔ میں نے اگلے دن بھی عرض کیا تھا کہ یہ جو ساتھی، صاحب مجاز، روحانی بیعت کا اصرار کرتے ہیں، فلاں کو کرادی جائے، فلاں کو کرادی جائے تو ہوتا یہ ہے کہ جب یہ اپنے پاس بٹھا کر مراقبات کراتے ہیں تو انہیں نظر آتا ہے کہ اس کی روح بھی میرے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں چلی گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس ساتھی سے کہو کہ الگ بیٹھ کے اپنے طور پہ مراقبات کرے پھر اگر اس کا دل مانے کہ میری روح بارگاہِ رسالت تک جاتی ہے، پھر تو بات ہے۔ آپ کے ساتھ گئی تو ہوسکتا ہے روح نہ پہنچی ہو وہاں آئینہ نما انوارات ہوتے ہیں، وہاں اس کی تصویر نظر آرہی ہو۔ تو یہ باریکیاں ہوتی ہیں اس راہ کی۔ جو شیخ کہہ دیتا ہے اگر وہ خلافِ شریعت نہیں ہے تو اس پر سوال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ سننا اور ماننا شرط ہے۔ اگر اس پر اعتراض آئے گا یا سوال آئے گا تو پھر اس شیخ کا فیض منقطع ہو جائے گا، پھر نہیں رہے گا۔ یہی حال انبیاؑ کا ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ نبی ﷺ جو فرماتے ہیں وہی شریعت ہے اور شیخ جو کہتا ہے اس پر ایک قید ضروری ہے کہ وہ نبیؐ کی شریعت کے مطابق ہو۔ شیخ اپنی مرضی سے کوئی نیا راستہ نہیں بتا سکتا۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ کچھ حضرات جنہیں پیر بناتے ہیں یا شیخ بناتے ہیں ہم انہیں خدائی رتبہ دے دیتے ہیں۔ جائز ناجائز ہر بات جو وہ کہتے ہیں، کیے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں کہ شیخ کامل بھی ہو تو ان کے دل میں سوال اٹھتے رہتے ہیں۔ دونوں خالی رہتے ہیں۔ شیخ جانچ کر بنائیں اور پھر اس پر اعتماد کریں۔

سوال:

جہادِ اکبر نفس سے جہاد ہے۔ اگر کوئی نفس سے جہاد کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو درجہ کیا ہوگا؟

جواب:

درجہ کیا ہوگا، کون دے گا؟ یہ تو اللہ کے کام ہیں کہ کس کا کیا فیصلہ ہوگا؟ ہمارے پاس بے شمار مقدمات کے فیصلے موجود ہوتے ہیں، خاص کر ہائی کورٹ، سپریم کورٹ جو بھی فیصلہ کرتی ہے وہ ریکارڈ بنتا رہتا ہے اور پھر بعد کے مقدمات میں بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اگر پہلا مقدمہ اس مقدمے سے ملتا جلتا ہو۔ دنیا بھر کے ہائی کورٹس اور سپریم کورٹس کے فیصلے روئے زمین کے اکٹھے کر کے بطورِ دلیل پیش کیے جاتے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فیصلہ ایسا ہی آئے گا، وہ فیصلہ عدالت پہ منحصر ہوتا ہے۔ وکلا نظیریں پیش کرتے ہیں لیکن فیصلہ تو عدالت کی مرضی پہ ہوتا ہے۔ نیکی کرتا ہے، نیک عمل کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں لیکن فیصلہ تو اللہ کا ہے۔ کوئی ماوشا، ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کیا فیصلہ فرمائیں گے۔ اپنے نفس سے، اپنے آپ سے جہاد کو جہادِ اکبر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی جذباتیت نہیں ہوتی۔ قوم پر، اسلام پر، مسلمانوں پر کفر کے خلاف اگر جہاد آ گیا ہے تو اس میں ایک جذباتیت بھی ہوتی ہے، وقتی طور پر بندہ جوش میں شامل ہو جاتا ہے، وہ محدود ہوتا ہے کچھ وقت کے لیے ہوتا ہے ہمیشہ جنگ نہیں لگی رہتی۔ لیکن بلوغت سے لے کر موت تک نفس سے مقابلہ جاری رہتا ہے تو اسے آقائے نامدار ﷺ نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ اب جو بندہ خلوصِ دل سے آخری دم تک اتباعِ رسالت کی کوشش کرتا رہتا ہے یقیناً اس پر اللہ کا کرم ہے اور اللہ اس پہ بہت مہربانی فرمائے۔ اللہ اسے بہت بڑے مدارج عطا کرے۔ لیکن ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ اسے یہ درجہ عطا ہوگا، نہ اس کی کیفیاتِ باطنی سے ہم آگاہ ہیں کہ اس کے دل میں کتنا خلوص ہے۔ اس کی نیت کتنی خالص ہے۔ خلوص کے ساتھ اعمال کا شریعت کے اندر ہونا اور شریعت کا اتباع کرنا بھی شرط ہے۔ خلوص بھی ہو، اتباعِ شریعت بھی ہو تو یقیناً اللہ کریم قادر ہیں اس پہ بہت مہربانی فرمائیں گے اسے بھی شہید کا درجہ دے دیں، اللہ کی یاد میں جو مرتا ہے تو کون روک سکتا ہے۔

سوال:

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ: 54)۔۔۔ اللہ بندے سے محبت کرتا ہے کہ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے؟ اب خود محبت کرنا ایک ایسا فعل ہے جس پہ بندے کا

اختیار نہیں کیا کہ اللہ کریم سے محبت کرنے کی شرط ہو۔ سوال یہ ہے کہ بندے کا کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ کریم اس سے محبت کرنے لگتے ہیں؟

جواب:

بڑی بات ہے! محبت ایک جذبہ ہے، ایک تعلق ہے، ایک رشتہ ہے۔ جذباتی رشتہ ہے۔ کسی خوبی، کسی کمال پہ آدمی فدا ہو جاتا ہے، محبت کرنے لگتا ہے، کہیں کسی ظاہری حسن پر، کہیں کسی باطنی کمال پر۔ تو محبت ایک جذبہ ہے جو انسان کو محبوب کے سامنے بے بس کر دیتا ہے۔ محبت کرنے والا جو ہے اس کی اپنی مرضی نہیں رہتی۔ جس سے محبت کرتا ہے اُس کی پسند کا اسیر ہو جاتا ہے اور ایک عرب شاعر نے کہا تھا: ''فان المحب لمن یحب مطیع'' محبت کرنے والا محبوب کا غلام بن کے رہ جاتا ہے۔ تو ہم جو محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، ہمیں حضور ﷺ سے محبت ہے، ہمیں اللہ سے محبت ہے تو ہمیں دیکھنا یہ پڑے گا کہ ہماری محبت الفاظ کی حد تک ہے یا ہمیں واقعی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا غلام بنا کے رکھ دیا ہے اس نے۔ اب محبت بندہ کرتا ہے جہاں تک اس کے ادراکات ہوتے ہیں۔ کسی کو حسن سے محبت ہے تو حسن کو دیکھے گا، سمجھے گا تو محبت کرے گا نا۔ کسی کی بات سے محبت ہے۔ بہت اچھی باتیں کرتا ہے بہت خوبصورت تقریر کرتا ہے۔ بہت سے لوگ بہت اچھے مقرر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے شاعر ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بڑی محبت ہوتی ہے ان کے شعروں سے اور شعروں کی وساطت سے خود ان کے کسی نہ کسی کمال سے محبت ہوتی ہے۔ اُس کمال کو دیکھتا ہے۔ اب اللہ کریم کو دیکھنا بندے کے بس میں نہیں۔ بندے کو اس جہاں میں یہ قدرت ہی نہیں۔ اس کی قدرت کے مظاہر تو دیکھتا ہے۔ اس کی صفات جہاں جہاں ظہور پذیر ہوتی ہیں دیکھتا ہے۔ لیکن اس کی ذات کو دیکھنا اور ذات سے محبت کرنا تو انسان کے بس میں نہیں ہے۔ وہ کیسے محبت کرے؟ اس کا جواب قرآنِ کریم نے دیا ہے، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے حبیب! ان لوگوں کو بتا دیجئے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ (آل عمران: 31)۔۔۔ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے اللہ کی محبت چاہتے ہو، چاہتے ہو کہ تم اللہ سے محبت کرو فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران: 31)۔۔۔ میری غلامی اختیار کرو، میرا اتباع اختیار کرو اپنی رائے چھوڑ دو۔ جو حکم میرا تم تک پہنچے اس کے مطابق جیو، اس کے مطابق زندہ رہو، اس کے مطابق کماؤ، اس کے مطابق کھاؤ، اس کے مطابق پہنو، اس کے مطابق وقت گزارو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے، تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ دونوں میں، محبت میں بھی، نفرت میں بھی ایک بڑا کمال ہے۔ آپ کسی سے نفرت کرتے ہیں جواب میں وہ بھی آپ سے نفرت کرتا ہے۔ یہ بڑے بڑے افسران ہوتے ہیں، یہ ماتحتوں سے نفرت کرتے ہیں انہیں اچھا نہیں سمجھتے حالانکہ ماتحت ہر وقت ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ماتحتوں کے دل سے پوچھا جائے تو کرتے وہ بھی نفرت ہیں۔ یہ ان کی مجبوری ہے کہ دروازے پہ پہرا دیتے رہیں، چوکیداری کریں، جب گزریں انہیں سلام کریں۔ لیکن دل سے اچھا نہیں سمجھتے۔ دل میں وہ بھی گالیاں دے رہے ہوتے ہیں کہ اس کی ایسی تیسی اتنی دیر کھڑا ہونا پڑ گیا۔ اکثر روٹ لگتے ہیں، حکمرانوں نے گزرنا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی دو دو تین تین سڑکوں کے روٹ لگ جاتے ہیں پولیس کے سپاہی کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ بظاہر تو وہ ان کی غلامی میں ان کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں سارا دن گالیاں بکتے ہیں کہ پتا نہیں یہ یہاں سے کب جائے گا کب آئے گا؟ کب نہیں آئے گا؟ نفرت کا جواب بھی نفرت میں آتا ہے۔

محبت کی خصوصیت یہ ہے کہ محبت کا جواب محبت میں آتا ہے۔ جب آپ خلوصِ دل سے محبت کرتے ہیں، پھر اللہ کی محبت! اللہ جس سے محبت کرتا تو ردِعمل کے طور پر تو وہ مجبور و بے بس ہو جاتا کہ وہ اللہ سے محبت کرے۔ اس لیے قرآن میں ترتیب یہ ہے يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ: 54)۔۔۔ اللہ ان سے محبت کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ بندے میں تو یہ وصف نہیں ہے، وہ اللہ کو دیکھ نہیں سکتا، جان نہیں

سکتا۔ اس کی ذات وری الوریٰ ہے کہ ہم اسے اس عالم میں جانیں۔ آخرت میں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر جنتی کو اللہ کا دیدار ہوگا۔ وہ کیسے ہوگا؟ کیا کیفیت ہوگی، وہ تو وہاں جا کے پتا چلے گا۔ یہاں تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا، وہ سچ فرمایا، وہ حق ہے، ایسا ہی ہوگا۔ تو جب اللہ کسی سے محبت کرتے ہیں، کسی کو اچھا سمجھتے ہیں، محبوب بنا لیتے ہیں۔ تو ردعمل کے طور پر اس کے دل میں بھی عشقِ الٰہی کا سمندر لہریں مارنے لگتا ہے۔ اب اللہ کس سے محبت کرتے ہیں؟ وہ نسخہ حضور ﷺ نے بتا دیا، قرآن نے بتا دیا۔ اللہ نے فرمایا میرے حبیب ان کو بتا دیجئے، قیامت تک آنے والی انسانیت کو بتا دیجئے کہ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 31)۔۔۔تم میرا اتباع خلوصِ دل سے اختیار کر لو، اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ جب اللہ تم سے محبت کریں گے تو تم بھی اللہ سے محبت کرنے لگو گے، یونہی یہ معاملہ چل نکلے گا۔

سوال:

کائنات کی ہر چیز ذاکر ہے۔ پھر انسان کے ذکر کرنے کی فضیلت زیادہ کیوں ہے جبکہ وہ تو ہمہ وقت ذکر کر بھی نہیں سکتا؟

جواب:

ہر چیز کا ذاکر ہونا یہ اس کی مجبوری ہے۔ قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے۔ مَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ کی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ اس کی تعریف نہ کرتی ہو۔ اس کا ذکر نہ کرتی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی ذرہ جو ذکر سے غافل ہو، وہ ختم ہو جاتا ہے، عدم میں چلا جاتا ہے باقی نہیں رہتا۔ ہر ذرے کی اپنی بقا کے لیے، ذکر اس کی مجبوری ہے۔ اب اگر اس نظر سے دیکھیں تو انسان کا وجود بھی تو کائنات میں باقی ہے اس کی ہڈیاں ہیں اس کے اعضا و جوارح ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ مجبوراً تو انسان کے بدن کا ہر ذرہ بھی ذکر کرتا ہے اور ہر وہ سیل باقی رہتا ہے جب تک ذکر کرتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ سیل غافل ہوتے جائیں تو انسان معذور ہو جاتا ہے، اندھا ہو جاتا ہے، لنگڑا ہو جاتا ہے۔ یہ ذکر مجبوراً اپنی بقا کے لیے کرنا یہ اپنی ضرورت ہے، یہ اللہ سے تعلق یا محبت یا اس کی عظمت کے اقرار میں نہیں ہے۔ یہ ہر شے کو مجبوراً کرنا پڑتا ہے اور اپنی پسند سے اختیاری طور پر سمجھ کر، مقابلہ کر کے کائنات کی ہر شے کو پیچھے چھوڑ کر عظمتِ الٰہی کا اقرار کرنا یہ دوسری بات ہے۔ انسان جب بلا ارادہ ایمان لا کر اللہ پر، اللہ کی ذات اور صفات پر، آخرت پر، اللہ کے نبی ﷺ، اللہ کی کتابوں پر، حساب کتاب، آخرت، ضروریاتِ دین پر ایمان لا کر اختیاری طور پر ذکر کرتا ہے تو یہ بالکل دوسری چیز ہو جاتی ہے۔ یہ اس کی انسانیت کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ اگر ذکر نہیں کرتا تو انسانی عظمت اس سے چھن جاتی ہے۔ اب ذکر کے مختلف درجے ہیں۔ ایمان لانا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ شریعت پر عمل کرنا عملاً ذکرِ الٰہی ہے۔ ہر عمل کے ساتھ اللہ کی یاد۔۔۔ ایسا کیوں کرنا ہے؟ یہ اللہ کا حکم ہے، یہ عملی ذکر ہو گیا۔ تسبیحات پڑھنا، تلاوت کرنا، اچھی باتیں کرنا، نیک مشورے دینا، نیک بات کرنا، پیار سے باتیں کرنا یہ سارا زبانی ذکر ہے۔

گویا ذکر کے مختلف مدارج ہیں، پھر سب سے اعلیٰ مقام ہے کہ لطیفہ قلب ذاکر ہو جائے۔ ذکرِ قلبی نصیب ہو جائے۔ ذکرِ قلبی جب نصیب ہوتا ہے، عمل بھی چھوٹ جاتا ہے، زبان بھی خاموش ہو جاتی ہے۔ ذکرِ لسانی چھوٹ جاتا ہے جب بندہ سو جاتا ہے، بے ہوش ہو جاتا ہے۔ لطیفۂ قلب جب جاگ اٹھتا ہے تو پھر بندہ بے ہوش ہو یا سو جائے، ذکر جاری رہتا ہے۔ اس میں انقطاع نہیں آتا۔ حتیٰ کہ بندہ مر جاتا ہے لیکن اس کا لطیفہ، ذکر کرتا رہتا ہے۔ قبروں میں بھی ذاکر، ذاکر ہی رہتے ہیں۔ تو اپنی رائے سے پسند کر کے، کائنات میں عظمتِ الٰہی کا اقرار کر کے ذکر کرنا یہ اور بات ہے اور مجبوراً اپنی بقا کے لیے ذکر کرنا یہ دوسری بات ہے۔ جو انسان ایمان نہیں لاتے ان کے اعضاء و جوارح تو باقی رہتے ہیں۔ جب

تک موت نہیں آتی وجود باقی رہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے سیل بھی بقا کے لیے تو ذکر کرتے ہیں، ان کی مجبوری ہے کوئی باقی نہیں رہ سکتا۔لیکن انتخاب کر کے، اختیار کر کے، ذکر کرنا بالکل دوسری بات ہے۔ذکر پھر محبت کو چاہتا ہے۔محبت اطاعت کو چاہتی ہے۔ایک نام آپ کو پسند ہی نہیں تو آپ اس کو کیوں دہراتے رہیں گے۔تب ہی دہرائیں گے جب محبت ہوگی۔محبت ہوگی تو محبت اطاعت کو چاہتی ہے پھر اطاعت ہوگی، پھر اس کا درجہ ظاہر ہے الگ ہوگا۔ اللہ کریم توفیق بھی عطا فرمائیں اور قبول بھی فرمائیں۔

سوال:

انسان کی جسمانی حیات کے مدارج ہیں، بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا۔کیا روح کے بھی اسی طرح درجے ہیں؟ اگر ہیں تو کس طرح پتا چلے گا کہ روح میں بچپنا ہے یا بلوغت؟

جواب:

جسم کے بچپن، لڑکپن اور بلوغت کا پتا اس کے مزاج سے چلتا ہے۔ بعض انسان بڑے ہوجاتے ہیں لیکن عادات بچوں جیسی رہتی ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس میں ابھی تک بچپنا ہے، حالانکہ وہ کڑیل جوان ہوتا ہے۔بچپن کیا ہے؟ بچپنا یہ ہوتا ہے کہ چیزوں کی ظاہری شکل وصورت دیکھ کر اُن کی طرف لپکنا، جیسے چھوٹا بچہ کوئی چمکدار چیز دیکھتا ہے تو اس کی طرف لپکتا ہے، اسے پسند آتی ہے، وہ کڑوی ہے یا میٹھی یہ تجربہ بعد میں ہوتا ہے۔یہ اچھی ہے یا نقصان دہ ہے یہ بعد میں پتا چلتا ہے۔بلوغت جب آتی ہے تو پختگی آجاتی ہے، چیزوں کو صرف ان کے ظاہر سے نہیں ان کی خصوصیات سے پسند، ناپسند کرتا ہے۔ایک چیز کڑوی ہے یا نقصان دہ ہے تو بے شک وہ خوبصورت ہو تو اس کی طرف نہیں جاتا۔ روح کا بالغ ہونا اس بات کی دلیل بن جاتا ہے کہ اسے اللہ کے احکام اور نبی ﷺ کی اتباع سے محبت ہوجائے۔وہ روح نابالغ ہے اگر اس کی پسند محض دنیاوی لذات ہیں خواہ وہ جائز ہیں یا ناجائز ہوں، تو پتا چلتا ہے کہ اس میں وہ جان نہیں ہے، اس میں وہ طاقت نہیں ہے۔روح کی حیات نورِ ایمان سے ہے۔ پہلے تو نورِ ایمان نصیب ہو پھر اتباعِ رسالت ﷺ نصیب ہو اور خلوص سے نصیب ہو تو روح بالغ بھی ہوجاتی ہے، پہلوان بن جاتی ہے، تگڑی ہوجاتی ہے۔

سوال

یہ دوسرا سوال بھی یہی ہے اس کا حصہ ہے کہ روح کو میچور (Mature) کرنے کے لیے کیا جانا چاہئے؟

جواب:

تو اسی جواب میں اس کا بھی جواب ہے کہ نورِ ایمان نصیب ہو پورے دل کے خلوص کے ساتھ اور اتباعِ رسالت نصیب ہوجائے قلبی خلوص کے ساتھ۔یہ چیزیں جب نصیب ہوتی ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ ان لوگوں کے پاس پہنچا دیتا ہے جن کے سینے میں برکاتِ رسالت ﷺ ہوتی ہیں۔یاد رکھیں، یہ بات بڑی یاد رکھنے کی ہے۔ دین کے دو حصے ہیں۔تعلیماتِ رسول اللہ ﷺ۔ برکاتِ رسول اللہ ﷺ۔ یہ دو حصے ہیں۔حضور ﷺ کے سامنے جس نے اسلام قبول کیا وہ صحابیؓ ہوگیا۔ برکاتِ نبوت ﷺ اور برکاتِ رسالت یہ ہے کہ اس میں شرفِ صحابیت آگیا۔صحابیت کے لیے کسی نے کوئی چلہ نہیں کاٹا، کوئی وظیفہ نہیں پڑھا، نہ کوئی محنت مجاہدہ کیا۔ حضور ﷺ کی صحبت میں جانے سے مل گئی۔اُنہی کو ملی جن میں نورِ ایمان تھا۔اسی طرح صحابہؓ کی صحبت جسے ملی، وہ برکات آگے تقسیم ہوئیں، وہ تابعی ہوگیا۔ان کے سینے برکاتِ رسالت سے منور ہوگئے۔تابعین کی صحبت میں پہنچا تبع تابعی ہوگیا وہ برکات اسے نصیب ہوگئیں۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ او کما قال رسول اللہ ﷺ (مسند احمد بن حنبل) کہ کائنات کے تمام زمانوں اور عہدوں میں سب سے مبارک زمانہ میرا ہے پھر میرے بعد والوں کا، پھر ان کے بعد۔انہیں قرون ثلاثہ بالخیر کہتے ہیں۔یہ

بہترین زمانے ہیں کہ تعلیمات بھی تقسیم ہوئیں برکات بھی پہنچیں۔ نبی کریم ﷺ کی ذات تو سورج تھی۔ سِرَاجًا مُّنِيْرًا (احزاب:46) جو سامنے آیا ذرہ بھی آفتاب ہوگیا۔ صحابہؓ میں بھی یہ قوت رہی کہ جو اُن کی بارگاہ میں پہنچا، تابعی ہوگیا۔ وہ صحابی نہ بن سکا تابعی بن گیا۔ تابعین میں بھی یہ قوت رہی جو سامنے آیا، تبع تابعی بن گیا۔ بعد میں دینے والوں میں وہ قوت رہی نہ قبول کرنے والوں میں، پھر ضرورت پڑی کہ اپنے دل کو ذکرِ الٰہی سے صاف کرے، سینے کو روشن کرے۔ جذب کرنے کی استعداد پیدا کرے اور کسی صاحبِ نسبت کی صحبت میں جائے اور اس کے سینے سے انوارات اس پہ القاء ہوں تو وہ دین کا ظاہری علم بھی حاصل کرے اور یہ کیفیت بھی حاصل کرے، تب بات بنے۔ یہ تب سے اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ کیونکہ قیامت تک دین باقی رہے گا۔ جب دین اٹھ جائے گا، قیامت قائم ہوجائے گی تو اس میں دو باتیں ہیں کہ علم ظاہر نصیب ہو اور قلب سے یقین کے ساتھ نصیب ہو اور کوئی صاحبِ برکت شیخ نصیب ہو، واقعی جس کے پاس وہ برکاتِ نبوت ہوں۔ محض عمامہ باندھ کر اوپر چادر اوڑھ کر اور طرح طرح کی نمائش نہ بنائی ہوئی ہو۔ واقعی برکاتِ نبوت اس کے سینے میں ہوں۔ اس کی صحبت نصیب ہو وہاں سے برکات بھی نصیب ہوں۔ تب جا کر بات بنتی ہے۔

سوال:

قرآنِ پاک میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشاد ہے کہ جب تو انہیں دیکھے وہ رکوع میں ہوں گے یا سجدہ میں۔ ہر وقت رکوع وسجود میں رہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:

بہت اچھا سوال ہے، الحمدللہ! رکوع وسجود کیا ہے؟ نہایت عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے عظمتِ الٰہی کا اقرار۔ رکوع یہی ہے کہ ہم جھک جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے اللہ! تُو بڑا ہے۔ میرا ربّ بڑا ہے سبحان ربی العظیم پاک ہے میرا پروردگار بہت بڑا سب سے بڑا ہے۔ سجدے میں اس سے زیادہ عاجزی میں چلے جاتے ہیں۔ زمین پہ پیشانی رکھ دیتے ہیں، ہاتھ پاؤں ہر طرح متوجہ الی اللہ ہو کر اقرار کرتے ہیں۔ سبحان ربی اعلیٰ پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے اعلیٰ وبرتر ہے۔ یعنی خلوص سے اظہارِ عجز، رکوع وسجود ہے۔ صحابہ کرامؓ میں یہ کمال تھا کہ وہ دنیا کا کوئی کام بھی کرتے تھے تو پورے خلوص سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرتے۔ لہٰذا ان کا سونا بھی رکوع وسجود تھا۔ ان کا جاگنا بھی رکوع وسجود تھا۔ ان کی صلح بھی رکوع وسجود تھی، ان کی جنگ بھی کسی سے تھی تو رکوع وسجود تھی رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح:29)۔۔۔اے مخاطب! تو انہیں جب دیکھے گا وہ رکوع وسجود میں یعنی ہمہ وقت پورے خلوص سے اطاعت الٰہی میں لگے ہوئے، ان کا کھانا پینا بھی اللہ کی اطاعت اور عبادت ہوگا۔ کمانا بھی اللہ کی اطاعت اور عبادت ہوگا۔ اتنا عجز، اتنا تذلل، اتنی اللہ اللہ کیوں کرتے ہیں ہم؟ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الفتح:29)۔۔۔اللہ کے کرم اور اس کی رضا کے طالب یعنی اتنے عجز، اتنے تذلل سے کوئی اپنی بڑائی نہیں لینا چاہتے۔ وہ خود کو بادشاہ نہیں بنانا چاہتے۔ وہ اپنی دنیا نہیں جمع کرنا چاہتے بلکہ اللہ کی رضا کے طالب ہیں۔ اللہ کی اطاعت سے مراد اللہ کی رضا ہونا چاہیے۔ ہمارے ہاں تو یہ رواج ہوگیا ہے کہ ہم اطاعت بھی دنیا کے کاموں کے لیے کرتے ہیں۔ اتنے نفل پڑھو پھر اتنی تسبیحات پڑھو تو فلاں کام ایسے ہوجائے گا۔ اب تو سارا دن ٹی وی (T.V) پر بھی چلتا ہے کہ کیا تکلیف ہے، مجھے بتاؤ، پھر وہ کہتا ہے کہ اب یہ پڑھو وہ ٹھیک ہوجائے گی۔ یہ بھی کاروبار بن گیا ہے اور بازاری چیز بن گئی ہے۔ تو جن لوگوں کا معیار اور مزاج یہ ہے انہیں ان باتوں کی خاک سمجھ آئے گی۔

سوال:

تصوف کی رُو سے خودی کا تصور کیا ہے؟ یہ جو کہا جاتا ہے کہ خود شناسی

ہی خدا شناسی ہے، اس کی وضاحت فرمائیں؟

جواب:

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم انہیں کائنات میں بھی نشانیاں دکھاتے ہیں اور سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ (حم السجدۃ:54) اور اپنی ذات میں بھی۔ خود شناسی یہ ہے کہ بندہ اپنی اساس سے واقف ہو جائے۔ اب اگر سائنس کہتی ہے کہ ایک بندے میں دس کھرب سیل(Cell) ہیں اور ہر سیل کی زندگی چھ مہینے سے زیادہ نہیں ہے۔ اب یہ ضرب تقسیم کر کے دیکھ لیجئے گا کہ دس کھرب کو اگر چھ مہینے کے اندر مرنا ہے تو ایک سیکنڈ میں کتنی موتیں واقع ہوتی ہیں اور جتنے مرتے ہیں اتنے نئے بن جاتے ہیں۔ تو کتنی پیدائشیں اور کتنی موتیں ایک وجود کے اندر ہوتی ہیں۔ پھر ان سیلوں کی غذا کیا ہے؟ ان کی حیات کا سبب کیا ہے؟ وہ بیمار کیسے ہوتے ہیں؟ وہ صحت مند کیسے رہتے ہیں۔ اگر انسان اپنے وجود پہ غور کرے تو اسے عظمت الٰہی کا ادراک ہو جاتا ہے کہ اللہ بہت بڑا ہے، اس کے علوم بہت وسیع ہیں۔ اس کی قدرت بہت وسیع ہے۔ اور جتنا جتنا یہ ادراک ہوتا ہے اتنا اللہ کے سامنے خود کو تو سرنڈر (Surrender) کرتا ہے۔ دوسروں سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے۔ مخلوق کی احتیاج سے نکل جاتا ہے، پھر وہ اس کی عظمت کے گیت گاتا ہے جو اس کے سارے نظام اس کے بدن کے، اس کے ذہن کے اس کے دل کے، اس کی روح کے یعنی جوں جوں اسے مطالعہ نصیب ہوتا ہے، جوں جوں اسے پتہ چلتا ہے توں توں عظمتِ الٰہی بڑھتی جاتی ہے، یہ خود شناسی خدا شناسی کا سبب بن جاتی ہے۔ اپنے آپ سے واقف ہوتا ہے تو عظمتِ الٰہی کا ادراک ہوتا ہے اور اللہ کا مطیع بن جاتا ہے اور غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔

سوال:

ولایت عامہ اور ولایت خاصہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:

ولایت عامہ ہر کلمہ گو کو حاصل ہے، یہ تو اللہ کا احسان ہے اس نے فرما دیا اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ (البقرہ:257)۔۔۔ جسے نور ایمان نصیب ہوا، اسے اللہ کی ولایت، اللہ کی دوستی نصیب ہوگئی۔ یہ ہے ولایت عامہ جو ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ اب اس ولایت عامہ کا وہ لحاظ کرتا ہے، بچاتا ہے، تحفظ کرتا ہے، بڑھاتا ہے یعنی ایمان لانے کے بعد پھر ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور خلوصِ دل سے اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ ترقی کرتی کرتی ولایتِ خاصہ بن جاتی ہے جنہیں ہم ولی اللہ کہتے ہیں ورنہ تو ہر مسلمان ولی اللہ ہے۔ ایک درجے میں تو اسے ولایت حاصل ہے۔ جب نور ایمان نصیب ہوا تو وہ ایک درجہ ولایت کا دوستی کا، اللہ سے تعلق کا حاصل ہو گیا۔ یہ ولایت عامہ ہے۔ لیکن کچھ نے اسے بھی داغدار کر دیا اور کچھ نے اسی پر محنت کر کے اسے ولایت خاصہ تک پہنچا دیا کہ اس کے اعضاء و جوارح بھی اور اس کا دل و دماغ بھی اللہ کی اطاعت میں لگ گیا اور ہر کام میں اسے اطاعتِ الٰہی کی فکر رہتی ہے۔ ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق کرنا چاہتا ہے اور پھر برکاتِ نبوت ﷺ نصیب ہوتی ہیں۔ ایمان نصیب ہوتا ہے، تعلیمات نبوت سے، ایمان میں جان پیدا ہوتی ہے برکات نبوت ﷺ سے تو جہاں تعلیمات کے ساتھ برکات بھی آگئیں اور وہ اس قابل ہوا کہ اس نے برکات کو پالیا۔ یاد رکھیں! تعلیمات تو عام ہیں اب یہ بندہ برکات کہاں سے پائے۔ بات یہ ہے کہ جب دل میں خلوص آئے اور طلب پیدا ہو جائے تو اللہ ایسے اسباب بنا دیتے ہیں کہ برکات تک پہنچ جائے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ (العنکبوت:69)۔۔۔ ایک راہ نہیں جو ہمارے لیے محنت کرتے ہیں ہم کئی راہیں کھول دیتے ہیں۔ تو اللہ ایسے لوگوں تک بھی پہنچا دیتے ہیں جہاں سے اسے برکات بھی نصیب ہو جائیں۔

خواتین کا صفحہ

حضرت اُمِ خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب:

حضرت اُمِ خالدؓ کا اصل نام اَمَۃ تھا لیکن ان کی کنیت اُمِ خالد ان کے نام پہ غالب و مشہور ہوگئی۔ وہ قریش کے نامور خاندان بنو اُمیہ سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔(ابن حجرؒ، الاصابہ)

اُمِ خالد بنتِ خالدؓ بن سعید بن العاص بن اُمیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف بن قُصَی۔

والدہ کا نام اینہؓ یا ہمنیہؓ بنتِ خلف بن اسعد بن عامر تھا اور ان کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔

سابقون الاولون:

حضرت اُمِ خالدؓ کے والد اور والدہ دونوں دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور دوسرے سابقون الاولون کی طرح مصیبتیں جھیلیں۔ ان کے چچا عمرو بن سعید بھی سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، دونوں ہجرتیں کیں اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

ہجرتِ حبشہ:

بعثت کے پانچویں سال میں سرورِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام کو کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے حبش چلے جانے کا حکم دیا۔

اگلے سال 6 بعد بعثت میں مظلوم صحابہ کے ایک بڑے قافلے نے حبش کی جانب ہجرت کی جس میں حضرت اُمِ خالد کے والدین اور چچا، چچی (فاطمہ بنتِ صفوان) نے بھی ہجرت کی۔

اُمِ خالد کی ولادت:

حضرت خالدؓ بن سعید غزوہ خیبر تک حبش میں مقیم رہے۔ ان کے قیامِ حبش کے دوران ہی حضرت اُمِ خالد اَمَۃؓ کی ولادت ہوئی اس لیے وہ پیدائشی مسلمان ہیں۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کے مطابق حضرت اُمِ خالدؓ کے ایک بھائی سعیدؓ بھی حبش میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں شام کے ایک معرکے میں باپ کے سامنے شہادت پائی۔

حبشہ سے واپسی:

مہاجرینِ حبشہ میں سے کچھ اصحاب تو مختلف اوقات میں سرورِ عالمؐ کی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ واپس آ گئے تھے لیکن بیشتر صحابہ حبش میں ہی مقیم رہے اور جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹے۔ حضرت خالد بن سعید ان کے اہل وعیال اور دیگر خاندان والے بھی انہی میں شامل تھے۔

الوداعی ملاقات:

حضرت اُمِ خالدؓ اس وقت تک سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ وہ خود روایت فرماتی ہیں کہ وہ حبشہ میں تقریباً دس سال ٹھہریں پھر مہاجرین کے ساتھ دو کشتیوں میں یہ لوگ مدینہ منورہ کی طرف آئے۔

حبشہ سے روانگی کے وقت حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نہایت عقیدت سے ان کو پیغام دیا کہ تم سب رسول اللہ ﷺ کو میرا پیغام دینا۔ حضرت اُمِ خالدؓ فرماتی ہیں: "میں بھی ان لوگوں میں شامل تھی جنہیں شاہ حبشہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پیغام دیا۔ چنانچہ میں نے بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضور ﷺ کو نجاشی کا سلام پہنچایا۔"

شاہ نجاشی نے ہم سے کہا "اقرؤ جمیعا رسول اللہ ﷺ منی سلام" "تم سب میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کرنا۔

(طبقات، ج:8، ص:234، اصابہ، ج:4، ص:232)

مالِ غنیمت میں حصہ:

مہاجرین کا واپس آنا اور حضورؐ سے ملاقات فرمانا 7ھ میں خیبر میں ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے مالِ غنیمت میں حصہ بھی نکالا۔ پھر یہ تمام صحابہ مل کر نبی کریم کی ہمراہی میں مدینہ کی طرف لوٹے۔

شادی:

مدینہ منورہ میں حضرت اُمِ خالدؓ کا نکاح حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور حواری حضرت زبیر بن عوام سے ہوا۔ گویا حضورؐ کی حقیقی پھوپھی، حضرت صفیہؓ ان کی خوش دامن تھیں۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اُن کا رتبہ صحابیات کے درمیان بلند ہونے لگا۔ لیکن اس سے قبل وہ اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں:

ایتونی بأم خالد: (اُمِ خالد کو میرے پاس لاؤ)۔

حضورؐ حضرت اُمِ خالدؓ کے ساتھ بہت محبت اور نرمی سے پیش آتے اور ان کے والدین کے مرتبے اور قربانیوں کا خیال رکھتے تھے۔ اس لیے اس بچی کو تحائف بھی دیتے تھے۔

حضرت اُمِ خالدؓ خود روایت فرماتی ہیں ''رسول اللہ ﷺ کے پاس چند کپڑے لائے گئے جن میں ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی قمیض بھی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کس کو اس قمیض کے پہننے کے لیے مناسب سمجھتے ہو؟ صحابہ کرام خاموش رہے تو پھر فرمایا ''میرے پاس اُم خالدؓ کو لاؤ''۔ تو مجھے اٹھا کر حضورؐ کے پاس لایا گیا اور آپؐ نے اپنے دستِ شفقت سے مجھے وہ قمیض پہنائی اور فرمایا اس کو بوسیدہ کرو یہاں تک کہ ٹانکے کو نوبت آجائے۔'' یہ آپؐ نے دو تین مرتبہ فرمایا: آپ سارے وقت مسلسل نظرِ کرم میری طرف فرمائے ہوئے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ یہ بچی سرخ و زرد کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ اور فرمایا ''ھذا سنایا اُمِ خالد ؓ'' ''اے اُمِ خالد! یہ اچھا ہے۔'' آپ ﷺ بار بار ''سنا'' کا لفظ ارشاد فرما رہے تھے ''سنا'' حبشی زبان میں اچھے کو کہتے ہیں۔

حضرت سہیلؓ فرماتے ہیں ''اُمِ خالدؓ نے حبشی زبان سیکھی تھی کیونکہ وہ حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئی تھیں۔

اسی طرح ایک موقع پہ حضورؐ نے حضرت اُمِ خالدؓ کو بطورِ خاص بلا کر ایک خوبصورت چادر عنایت فرمائی اور اس وقت بھی اُن کو خوش کرنے کے لیے یہی الفاظ ارشاد فرمائے۔

بہر حال اُم خالدؓ نے ہدیہ رسولؐ کی اپنی طویل عمر تک حفاظت فرمائی اور اس پر فخر کرتیں اور خواتین کو اس کی زیارت بھی کراتیں۔ اور جو زیارت کے لیے آتیں، انہیں خبریں اور روایتیں بتاتیں۔

فضائل اُمِ خالدؓ:

آپؓ کے فضائل میں سے ہے کہ آپؓ نے سات احادیث روایت کی ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی اُن سے دو احادیث روایت کی ہیں اور اصحابِ سنن حضرت ابو داؤد اور نسائی نے بھی آپؓ سے احادیث روایت کیں۔

آپؓ کے دو فرزند موسیٰ اور ابراہیم نے بھی روایتِ احادیث کی۔

اُم خالدؓ اور اہم خبریں:

تاریخ اور سیرتِ نبویہ کی کتابوں میں بہت سی اہم خبریں اور مفید معلومات نقل کرنے میں اُم خالدؓ کی اہم خدمات لائقِ شکر ہیں اور اسی طرح بعض غزوؤں اور اہم تاریخی واقعات کے نقل کرنے میں ان کا اچھا کردار ہے۔ خصوصاً مہاجرینِ حبشہ کے بارے میں قیمتی باتیں اور معلومات کتب کو عطا کیں۔ اپنے والد کے متعلق فرماتی ہیں ''میرے والدؓ اسلام لانے والوں میں پانچویں نمبر پہ تھے، وہ حبشہ کی سرزمین پہ دس سال مقیم رہے اور وہیں میری پیدائش ہوئی''۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:2، ص:260)

اپنے والد کے حسنات کے متعلق فرماتی ہیں کہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی۔ نیز بتاتی ہیں کہ ''میرے والد ایک رات محوِ خواب تھے اور یہ زمانہ نبوّت کے ملنے سے پہلے کا ہے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ شہر پہ تاریکی و ظلمت چھائی ہے کہ آدمی اپنی ہتھیلی تک کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ اچانک زم زم سے ایک نور نکلا۔ آسمان کی طرف بلند ہوا پھر بیت اللہ میں روشن ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پورے

مکہ پہ چھا گیا پھر مدینہ کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں پہنچ کر باغاتِ مدینہ میں پھیل گیا اس کے بعد میں بیدار ہو جاتا ہوں۔"

انہوں نے اپنا خواب اپنے بھائی عمر بن سعیدؓ کو پیش کیا جو نہایت سنجیدہ اور صائب الرائے تھے۔ فرماتے ہیں "اے بھائی یہ معاملہ عبدالمطلب کی اولاد میں پیش آنے والا ہے۔ تُو کیا نہیں دیکھتا کہ وہ نور ان کے باپ (حضرت اسماعیلؑ) کے گڑھے (زم زم) سے نکلا ہے۔"

پھر حضرت خالدؓ نے بعثت کے بعد یہ واقعہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "اے خالد! خدا کی قسم میں ہی وہ نور ہوں اور میں اللہ کا رسول ہوں" تو حضرت خالدؓ ایمان لے آئے۔

دعائے مستجاب:

حضورؐ کی دعا مبارکہ کا اُمِ خالد کی زندگی پہ بڑا اثر پڑا۔ آپؐ نے جو ان کو فرمایا تھا "ابلی واخلفی۔ کپڑے پہنو یہاں تک کہ پرانا ہو جائے اور تم ٹانکے لگاؤ" اس دعا کے نتیجے میں اُمِ خالدؓ کی عمر خوب دراز ہوئی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ "صحابیات کی وفات میں سب سے آخر میں، میں سمجھتا ہوں کہ ان کی وفات ہوئی" (تہذیب التہذیب، ج:12، ص:400)

امام ذہبی فرماتے ہیں "ان کی عمر ہجرتِ مدینہ کے بعد نوے سال تک ہوئی۔" (سیر اعلام النبلاء، ج:1، ص:260)

سنِ وفات یا تاریخ تو معلوم نہیں لیکن یہ ہے کہ وہ حضرت سہل بن سعدؓ بالاتفاق صحابہ کرامؓ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی کے زمانے تک زندہ رہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ضرورتِ رشتہ

دو بہنیں، خوش شکل کے لیے رشتہ درکار ہے، (1) عمر 22 سال، تعلیم بی ایس آنرز، (کلینکل سائیکالوجی)، (2) عمر 24 سال، تعلیم ایم فل اسلامیات (سکول ٹیچر لاہور)، سلسلہ عالیہ کے لاہور ڈویژن سے تعلق رکھنے والے ساتھی کو ترجیح دی جائے گی خواہشمند حضرات درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ 333-4312348

ضرورتِ رشتہ

ہماری بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم بی کام، بی ایڈ، کے لئے رشتہ درکار ہے۔ سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ترجیح دی جائے گی۔ خواہشمند حضرات درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0321-4408859

قارئین متوجہ ہوں

وہ ممبران جن کو ماہنامہ "المرشد" کے نہ ملنے کی شکایت ہے ان سے گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل فارم کو پُر کر کے "ماہنامہ المرشد" کو بھیجیں۔ تاکہ اگر ایڈریس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے رسالہ نہیں مل رہا تو ان کے ایڈریس کو صحیح کیا جا سکے۔

نام:__________ موبائل نمبر:__________

مکان نمبر:__________ گلی/سٹریٹ نمبر:__________

گاؤں/محلہ/سیکٹر:__________ ڈاکخانہ:__________

شہر:__________ تحصیل:__________

ضلع:__________

نسائی جمیلہ

ناظمِ اعلیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا لاہور ڈویژن کا دورہ

محمد اکرم، سیکرٹری نشرواشاعت لاہور ڈویژن

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ اور تنظیم الاخوان پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان نے سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں سے فرداً فرداً ملاقات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس میں انہیں ذکر اذکار اور مراقبات کے علاوہ اپنے ذاتی مسائل بیان کرنے اور تعویذ لینے کی بھی اجازت ہے۔ نیز اہل خانہ کے ساتھ بھی ملاقات کر سکتے ہیں۔ اسی سلسلے میں جناب ناظمِ اعلیٰ نے 23، 24 اور 25 ستمبر 2016ء کو لاہور ڈویژن کا دورہ کیا۔ سب سے پہلا پروگرام الاخوات لاہور نے اویسیہ سوسائٹی کے مرکزی دفتر میں منعقد کیا۔ الحمدللہ! الاخوات لاہور کی طرف سے پانچ سو بہنوں اور ماؤں نے ناظمِ اعلیٰ صاحب سے ملاقات کی، الاخوات لاہور نے خواتین کے تین گروپ بنا دیے تھے جن میں ایک گروپ ملاقات کرنے والی خواتین پر مشتمل تھا، دوسرا گروپ مسائل بیان کرنے والی خواتین پر مشتمل تھا جبکہ تیسرا گروپ مراقبات والی خواتین پر مشتمل تھا۔ خواتین نے اپنے مسائل بیان کیے اور مراقبات کے حوالے سے بھی رہنمائی لی اور مغرب کا ذکر ناظمِ اعلیٰ کے ساتھ کیا۔

اگلے روز 24 ستمبر بروز ہفتہ صاحبزادہ صاحب ننکانہ صاحب، مریدکے، شاہ کوٹ اور شیخوپورہ کے ساتھیوں سے ملاقات کے لیے اپنے پروگرام کے مطابق صبح تقریباً ساڑھے نو بجے ضلع شیخوپورہ میں تنظیم الاخوان کے صدر نعیم الرحمان کے گھر پہنچے۔ وہاں پر ضلعی صدر نعیم الرحمان، امیر سلسلہ عالیہ شیخوپورہ، امیر سلسلہ عالیہ ننکانہ صاحب، صاحب مجاز قاری محمد رمضان اور دیگر ساتھیوں کے علاوہ تنظیم الاخوان لاہور ڈویژن کے صدر رحمت اللہ ملک، ایڈیشنل جنرل سیکرٹری حافظ فضل الرحمان اور سیکرٹری نشرواشاعت، ناچیز محمد اکرم بھی ناظمِ اعلیٰ کے استقبال کے لیے پہلے سے موجود تھے، جبکہ نائب امیر سلسلہ عالیہ لاہور مخدوم الطاف صاحب اور ضلعی صدر تنظیم الاخوان لاہور راشد قیوم ناظمِ اعلیٰ کے قافلے کے ہمراہ تھے۔ ناظمِ اعلیٰ نے ذکر کی اہمیت اور ضرورت پر فکر انگیز گفتگو فرمائی اور ساتھیوں کو ذکر کرایا۔ اپنے چند منٹ کی گفتگو میں بھائی جان نے فرمایا کہ "اللہ کے نام کا ذکر باقاعدگی سے اختیار کیا جائے، یہ ہمارا احسان نہیں کہ ہم اللہ اللہ کر رہے ہیں بلکہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنا نام لینے کی توفیق بخشی۔ انداز ذکر سے لے کر کیفیاتِ قلبی تک ہر چیز بہت واضح ہے، ایک ایک چیز پر بیان بھی موجود ہے، تربیت ہو رہی ہے، بڑا موقع ہے میں اور آپ آمادہ بھی ہیں، ہم مان بھی رہے ہیں، ہم مخلص بھی ہیں اس کے باوجود ان بیٹھکوں کا، ملنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کو متحرک کیا جائے، وقت ضائع نہ کریں، کوئی منع نہیں کیا جاتا کہ بندہ نوکری نہ کرے، کاروبار نہ کرے، کوئی منع نہیں ہے کہ معمولاتِ دنیا کو اختیار نہ کیا جائے لیکن یہ صحیح نہیں کہ اس ساری عطا کے بعد ہم اللہ کے ذکر کو ہی بھول جائیں۔ اللہ پاک ہمیں توفیق دیں، جو گزر گیا اس کی کمی بیشی اللہ پاک معاف فرمائیں لیکن جب تک میں اور آپ کوشش نہیں کریں گے اور اپنے روز کے معمولات میں ذکر کا وقت معین نہیں کریں گے اور اس کی پابندی نہیں کریں گے تو سستی بڑھتی رہے گی اور معمول کم ہوتا جائے گا۔ میں اکثر ساتھیوں سے ایک بات عرض کرتا ہوں کہ

صرف لطیفہ قلب نصیب ہوجائے تو اس سے بڑی بات کوئی نہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی آواز میں یہ بیان موجود ہے کہ اگر انسان راسخ قلب لے کر اس دنیا سے رخصت ہوجائے تو اس کی بخشش کا سبب ہوجاتا ہے۔ فقط قلب پہلا لطیفہ اللہ کریم مہربانی فرمادیں تو اس کی بھی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ روحانی عمارت کی حیثیت ایسی ہے کہ یہی زمین ہے، اسی کی مٹی ہمارے وجود کا حصہ ہے، اسی سے خوراک نصیب ہوتی ہے، اسی پر چلتے ہیں اسی پر گھر بنا کر رہ رہے ہیں، اسی میں دفن ہوتے ہیں، سخت اتنی کہ عمارتیں بنا کر کھڑی کردیں تو اٹھالیتی ہے اور نرم اتنی کہ انگلی سے کھودنا شروع کردیں تو کھدتی چلی جاتی ہے، یہ زمین ہماری حیات میں بھی خصوصی حیثیت رکھتی ہے اور حیات کے اسباب میں یہ بہت بڑا سبب ہے۔ اسی طرح لطیفہ قلب پہلا لطیفہ کہہ کر اس کو پہلی سیڑھی کی تشبیہ نہ دی جائے اس کی اہمیت کو سمجھیں کہ اس زمین کی ہماری زندگی میں جتنی اہمیت ہے روحانی عمارت میں لطیفہ قلب کی اس سے زیادہ اہمیت ہے اور لطائف، مراقبات یہ اللہ کا کرم ہے اور کون ہے جو اللہ کے کرم کا احاطہ کر سکے، یہ اتنا مخصوص کہ میں نے پہلی سیڑھی عبور کر لی، ایسا نہیں آپ جب ذکر کرتے ہیں، سانس لینا ہے، وقت دیا ہے یہ عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ اس کے اندر خضوع وخشوع کتنا بڑھ رہا ہے، اس کی وسعت کتنی بڑھ رہی ہے اس کا پیمانہ نہیں ہوسکتا کہ بندہ قلب کی وسعت کو ماپ سکے لیکن جتنی بھی بات کریں اختیار میں نے اور آپ نے کرنا ہے۔ کیا میرے اوقات کار میں اللہ نے اپنا نام قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق جوڑنے کا ذریعہ عطا فرمایا؟ کیا اس کی اہمیت میرے معمولات میں ہے؟ کیا جہاں دوستوں کے ساتھ دوستیاں نبھانی ہیں، معاملاتِ دنیا بھی نبھانے ہیں اس سارے معاملات میں اس (ذکر اللہ) حصے کی بھی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت ہے؟ کیا ہمارے چوبیس گھنٹے کے معاملات میں کوئی ایسا وقت بھی مقرر ہے کہ اس وقت میں اللہ اللہ کروں گا اور جب مجھے اللہ نے یہ چیز عطا فرمائی تو میں بھی کسی کا سبب بن جاؤں اور اس کو لوگوں تک پہنچادوں؟ خواتین وحضرات یہ وہ چیزیں ہیں جن کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے اور آخر میں ایک چیز عرض کروں گا کہ اس یاددہانی کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم ذکر کریں۔ ذکر کا کرنا اور اپنے شیخ سے والد اور اولاد کا تعلق ہونا یہ بہت لازم وملزوم چیزیں ہیں۔ کوشش کیا کریں جب فرصت ملے، جب آسانی ہوسکے دارالعرفان جائیں، اجتماعات کے علاوہ بھی وقت ملے تو جائیں، کوئی مسئلہ ہے، وہاں جائیں۔ صحبتِ شیخ یہ نہیں کہ وہاں جا کر ہم سب کو وقت ملے کہ حضرت جی مدظلہ العالی کے ساتھ ہی گپ شپ ہو۔ مرکز میں جا کر آپ کے جو لمحات صرف ہوں گے آپ کو اللہ اللہ کرنا نصیب ہوگا۔ یہ سارے پہلو صحبتِ شیخ ہیں اور کبھی اپنے معاملات میں آزمایئے گا کہ جب کچھ عرصہ حضرت جی مدظلہ العالی کے پاس نہیں جاتے تو اس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے اور جب متواتر ہر پروگرام میں جانا نصیب ہوجائے تو پھر کیفیت کیا ہوگی۔ پھر اپنا ذکر کرنا اور ذکر میں سستی کرنا ذرا سوچیے گا اس میں کیا چیز آڑے ہے۔ نماز میں ہماری سستی ہے اس کے فقہ میں کتنے سخت احکامات ہیں، عموی طور پر چھوڑ دیتے ہیں، دوست آگئے، سردرد ہے، طبیعت خراب ہے ایسا کیوں ہورہا ہے؟ اور یہ جو بات میں کررہا ہوں صرف آپ کے لیے نہیں اپنے آپ کو بھی آپ کے ساتھ شامل کر کے مجموعی طور پر بات کررہا ہوں۔ اس لیے اللہ پاک سے استقامتِ دین مانگیں، اللہ پاک نے اپنا احسان فرمایا، اپنا کرم فرمایا، اپنے کرم سے اپنا نام عطا فرمایا، اپنے شیخ المکرم مدظلہ العالی تک رسائی عطا فرمائی یہ اس کا احسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمیں اس پر استقامت دے، ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی زندگی میں اللہ اللہ کو اختیار کریں۔"

"آج آپ لوگوں کا وقت ہے اکیلے بات کرنا چاہیں، لطائف کے بارے، مراقبات کے بارے پوچھنا چاہیں آپ کا وقت ہے جیسے آپ صرف فرمائیں۔ جب آپ کی بات، آپ کے سوال پورے

ہوجائیں گے تو اس وقت میں اجازت لے جاؤں گا۔"

جناب ناظمِ اعلیٰ صاحب کی اس فکر انگیز گفتگو سے ایک انسان سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ میری اوقات کیا ہے اور میرے اللہ نے مجھ پر انعامات کے کس طرح بیش بہا خزانے لٹائے ہیں۔ہمیں وقت کی قدر کرتے ہوئے ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد میں بسر کرنا چاہیے۔ضلع شیخوپورہ کے ستر مردوں اور چالیس خواتین اور ضلع ننکانہ صاحب سے پینتیس مردوں اور دس خواتین نے صاحبزادہ صاحب سے ملاقات کی اس کے بعد تقریباً تین بجے کے قریب صاحبزادہ صاحب لاہور کی طرف روانہ ہوگئے۔

تین بجے تک مصروف وقت گزارنے کے بعد ناظمِ اعلیٰ صاحب اویسیہ سوسائٹی ٹاؤن شپ لاہور تشریف لائے، وہاں لاہور کے ساتھیوں سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوگیا جو رات تقریباً دس بجے تک جاری رہا۔ ساتھیوں سے انفرادی اور اجتماعی طور پر ملاقاتیں ہوئیں جس میں انہوں نے اپنے مسائل بیان کیے، ذکر اذکار اور مراقبات کے بارے اُن سے رہنمائی حاصل کی۔ساتھیوں نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھی ملاقات کی،ٹاؤن وائز بھی ملاقاتیں ہوئیں۔مغرب کی نماز کے بعد ساتھیوں کو ناظمِ اعلیٰ عبدالقدیر صاحب نے ذکر کروایا۔رات کو روزنامہ پاکستان کے راشد حجازی، روزنامہ نوائے وقت گروپ کے ہفت روزہ ندائے ملت سے اسرار بخاری اور تاثیر مصطفیٰ نے بھی ناظمِ اعلیٰ سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم انشاء اللہ جلد دارالعرفان منارہ، حضرت جی مدظلہ العالی کا انٹرویو کرنے کے لیے جائیں گے۔

25 ستمبر کو لاہور کا ماہانہ اجتماع بھی تھا، اس اجتماع میں تقریباً چھ سو مردوں اور ایک سو بیس خواتین نے شرکت کی۔اجتماع میں لاہور ڈویژن کے تمام اضلاع سے ساتھی آئے ہوئے تھے۔حضرت جی مدظلہ العالی کے ویڈیو بیان کے بعد ناظمِ اعلیٰ صاحب نے ساتھیوں سے خطاب کیا اور ذکر کی اہمیت بیان فرمائی۔خطاب کے بعد آپ نے لاہور ڈویژن کے تمام اضلاع کے عہدیداروں سے علیحدہ علیحدہ میٹنگز کیں اور ساتھیوں سے ملاقات بھی کی۔ملاقات کرنے والوں میں پانچ سو مرد حضرات چار سو خواتین، چالیس فیملیز شامل تھیں۔شام پانچ بجے سے چھ بجے تک بچوں کے ساتھ پروگرام تھا،اس پروگرام میں نوجوانوں کی بھرپور تعداد نے شرکت کی۔بچوں سے خطاب کرتے ہوئے صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ:

"آپ ملک کا قیمتی سرمایہ اور روشن مستقبل ہیں۔آپ ابھی بچے ہیں اپنے والدین کا خیال رکھیں، بڑوں کا ادب کریں۔ والدین آپ کی خواہشات کا خیال رکھتے ہیں،آپ کی ہر خواہش کو پورا کرتے ہیں اس لیے آپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ اپنے والدین کا ادب کریں، بڑوں کا کہا مانیں، اللہ آپ کو ہر امتحان میں کامیاب کریں۔آپ اپنی عملی زندگی میں جہاں بھی جائیں، جس شعبے سے بھی وابستہ ہوں اپنے آپ کو منوائیں، ملک اور قوم کے لیے کچھ کریں، ملک اور قوم کی بہتری میں اپنا حصہ ڈالیں۔آپ روزانہ ذکر کریں، صبح اور مغرب کے اوقات سنہری اوقات ہیں،آپ ذکر کریں آپ کو سوچ سے عمل تک اللہ کی حفاظت نصیب ہوگی۔ذکر کی فضیلت سے جب آپ باہر کی دنیا میں جائیں گے تو آپ پر حقیقت کی راہیں کھلیں گی۔ برائی اور اچھائی میں تفریق نظر آئے گی، برائی برائی لگے گی ، اچھائی اچھائی لگے گی، اپنا اپنا لگے گا، پرایا پرایا لگے گا۔ بندہ اگر ساری زندگی مسجد میں بیٹھا رہے اور نماز نہ پڑھے تو نمازی نہیں کہلائے گا۔ابوجہل نے ساری زندگی بیت اللہ کے سائے میں بسر کی تھی مگر ابوجہل ہی رہا۔اس لیے ضروری چیز عمل ہے اور عمل کے لیے یقین ضروری ہے۔میری خواہش بھی ہے اور دعا بھی ہے کہ اللہ کریم آپ کو دنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔" بچوں سے بصیرت افروز گفتگو کرنے کے بعد ناظمِ اعلیٰ نے بچوں کو طریقۂ ذکر سکھایا اور تھوڑی دیر ذکر قلبی عملی طور پر بھی کر کے دکھایا۔

اسی دوران "اب تک" ٹی وی چینل سے محسن بلال اپنی ٹیم کے

ساتھ آ گئے، انھوں نے "اب تک" ٹی وی چینل کے لیے صاحبزادہ صاحب کا ملک کی موجودہ صورتِ حال پر مختصر انٹرویو کیا۔ انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں آپ نے کہا کہ

"اس وقت ملک کی کوئی بھی بڑی پارٹی یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں اقتدار میں نہیں ہوں، وہ اپوزیشن کی جماعت ہو یا حکومتی پارٹی ہو، کوئی نام بھی آ جائے میں یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی پارٹی جتنی اہلیت رکھتی ہے وہ کوئی چیز حاصل کر سکتی ہے وہ اقتدار سے باہر نہیں ہے۔ اب کسی بھی ایک پارٹی نے اپنے ملک کی تعمیر کے لیے کتنا کردار ادا کیا اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے، اسے میں بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں اور آپ بھی بڑی بار یکی سے جانتے ہیں اور عوامی سطح پر بھی ہر کوئی جانتا ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ ہر پارٹی اپنے حصے کا کام کرتی تو آنے والے الیکشن میں اس پارٹی کی کارکردگی آ جاتی، ایک اور سوال کے جواب میں بھائی جان نے کہا کہ "اس وقت تمام پارٹیوں کو ایک پیج پر ہونے کی ضرورت ہے، اپوزیشن ہو حکومتی پارٹی ہو جو قومی مسائل ہیں ان پر بیٹھ کر ترتیب کے ساتھ ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔" وزیر اعظم کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ " ہمارے وزیر اعظم نے کئی سالوں کے بعد UNO میں خطاب کر کے اپنا موقف بیان کیا اور یہ خوش آئند بات ہے۔ اگر حکومت اور اپوزیشن فقط الیکشن کو اپنا مرکوز بنا کر رکھیں گی تو کوئی بھی معاملات ہوں گے تو الیکشن ہوں گے، ملک ہوگا تو حکومتیں ہوں گی، قیادتیں ہوں گی، اپوزیشن ہوگی، ہم سب کو من حیث القوم سب سے پہلے اپنے ملک کے لیے دیکھنا ہوگا اور میں حیران ہوتا ہوں کہ کوئی بندہ رائے دیتا ہی نہیں ہر بندہ پتھر اٹھائے ہوئے ہے اور اگلے بندے کے سر پر مارنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ ہر بندہ یہ کہتا ہے کہ جو میں کہتا ہوں وہی ٹھیک ہے اور پوری قوم اس کی پابند ہو۔ اگر اس طرح کے معاملات ہوں گے تو قوم کی تعمیر نہیں ہوگی۔" حضرت جی مدظلہ العالی کے متعلقین کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں ناظمِ اعلیٰ نے فرمایا کہ "حضرت جی مدظلہ العالی کے متعلقین میں ہر سطح کا بندہ شامل ہے اگر آپ کو وہاں اچھا کاروباری بندہ ملے گا تو دوسری طرف آپ ریڑھی والے کو بھی اسی صف میں کھڑا پائیں گے۔ اگر کہیں اچھے عہدے کا حامل فرد ہوگا تو دوسری طرف ایک عام درجہ چہارم میں کام کرنے والا شخص بھی آپ کو کھڑا نظر آئے گا۔" موجودہ حالات پر پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ "اگر آپ خود کوئی ایسے حالات پیدا کر دیں تو بات اور ہے اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ وہ لوگ جن کے پاس قوت ہے ان کے کیے گئے کام یہ ثابت کرتے ہیں کہ انھیں Concern اپنی ذمہ داری سے ہے اس کے علاوہ وہ کسی چیز کو نہیں دیکھتے۔" برصغیر کے حالات پر پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرمایا کہ "ہم کسی کے ساتھ جنگ نہیں کر رہے، وہ قوتیں جو ہمارے ملک کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں ان کی خواہشات ہمیشہ ذلیل ہوں گی کہ اس ملک کا نشان مٹایا جائے، ان کا اسلام کے خلاف جو پراپیگنڈا ہو رہا ہے اس میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اس دنیا میں جتنے اسلامی ممالک ہیں ان سب میں آپ پاکستان کی اہلیت اور اہمیت کو دیکھیں، اس خطے کی اہمیت کو دیکھیں، اس میں رہنے والے لوگوں کی استعداد کو دیکھیں، استعداد ہے تو یہ ملک ایٹمی قوت بن کے سامنے آیا ہے، باقی بے شمار قوتیں کیوں نہیں ایسا کر سکیں۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو پوری مسلم امہ کو Lead کر سکتی ہیں، ہمیں Domestic Border Issue سے باہر نکل کر بین الاقوامی Scenario کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی سطح پر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ اگر پاکستان اپنے حالات بہتر کرتا ہے تو نہ صرف ترقی کر جائے گا بلکہ پوری مسلم امہ کو lead کرنا شروع کر دے گا۔"

انٹرویو کے بعد ناظمِ اعلیٰ صاحب نے دعا کرائی اور یوں لاہور ڈویژن کا یہ تین روزہ دورہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ ساتھیوں نے اس بصیرت افروز دورہ اور محافلِ ذکر سے خوب خوب استفادہ فرمایا۔ ان کی یہ رائے تھی کہ ناظمِ اعلیٰ کا اس طرح کا دورہ ساتھی کو متحرک کرنے کے لیے بہت سودمند ہے۔

حضرت عائشہؓ کی عمر مبارک پر تحقیقی نظر

قسط نمبر 1

حمید اللہ شاہ ہاشمی، پرنسپل اے پی ایس آرمی کالج، مردان

اکثر کتب روایات میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے جب نکاح کیا تھا تو حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی تھی۔ حالانکہ حقیقت وہ نہیں ہے جو وہ بیان کرتے ہیں بلکہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر 19 سال سے کم نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کی تحقیق میں جو تساہل ہوا ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمنانِ اسلام نے خدا کے رسول ﷺ کی ذات پر رکیک حملے کئے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا۔ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات نے اس داستان کو خلاف عقل قرار دیا۔ ان حالات میں ہم نے روایات پر از سرِ نو تحقیق شروع کی اور غور و فکر کے بعد جو امور اور حقائق سامنے آئے ہیں ہم وہ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے ایک بہت بڑی حقیقت سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کا سن ولادت تاریخ وسیرت کی کتابوں میں تعین کے ساتھ نہیں ملتا، البتہ قرآن اور بعض دوسری روایات سے سن ولادت کا تعین ہوتا ہے۔

1۔ دورِ اوّل کے مشہور ومعروف مؤرخ امام محمد بن جریر طبری جنہوں نے بہت تفصیل سے تاریخ مرتب کی ہے حضرت ابوبکرؓ کے حالات میں رقمطراز ہیں۔ "ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں دو خواتین سے شادی کی تھی جن سے چار بچے پیدا ہوئے۔ قتیلہ سے عبداللہ اور اسماءؓ اور ام رومان بنت عامر سے عبدالرحمٰنؓ اور عائشہؓ، یہ چاروں بچے زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ (طبری، اردو ترجمہ، جلد 1، خلافتِ راشدہ، ص: 33)۔ اس عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ بعثتِ نبویؐ سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اب اگر اُم المومنین بعثت سے چند ماہ قبل بھی پیدا ہوں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر پندرہ سال بنتی ہے۔ حقائق اور واقعات بتاتے ہیں کہ اُم المومنین بعثت سے کم از کم پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُم المومنین کی رخصتی انیس سال کی عمر میں ہوئی۔ یہ یاد رہے جب حضرت محمد ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر چالیس سال کی تھی اور آپ ﷺ بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ میں رہے۔ اس کے بعد ہجرت فرمائی (طبقات ابن سعد جزو، اوّل، ص: 333-334) (تاریخ طبری، جلد اوّل، حصہ سوم، ص: 54، 136، 135)

2۔ سن ولادت کا تعین صاحب مشکوٰۃ المصابیح (ولی الدین محمد بن عبداللہ) کی مستند کتاب "الاکمال فی اسماء الرجال" سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں اور حضرت اسماءؓ کی وفات 73ھ میں تقریباً سو سال کی عمر میں ہوئی۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر 27 سال (73-100) تھی۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت ہجرت 17 سال (10-27)، بوقت نکاح 14 سال، بوقت رخصتی 19 سال ہوئی۔ (حضرت عائشہؓ کی رخصتی 2ھ میں ہوئی ہے تو لازماً ان کی عمر 19 سال قرار پائے گی)۔ امام نوویؒ، حافظ ابن کثیر، علامہ قسطلانیؒ، حافظ بدرالدین عینی وغیرہ سبھی کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی 2ھ میں ہوئی ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات الامام نووی، البدایہ والنہایہ الحافظ ابن کثیر، مواہب اللدنیہ، العلامہ قسطلانی، عمدۃ القاری الحافظ بدرالدین عینی)۔

3۔ علامہ ابن کثیر (متوفی 773ھ/1373ء) نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تاریخی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "اسماءؓ نے 73ھ میں ایک سو سال کی عمر میں انتقال کیا

وہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔(ص:346،ج:8)

4۔اسی طرح ابن ہشام نے اپنی کتاب "سیرۃ ابن ہشام" میں آنحضرت ﷺ کی نبوّت پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سابقین اوّلین کے زیر عنوان اس کی ابتداء حضرت خدیجہؓ سے کرتے ہوئے آزاد مرد و خواتین، غلام اور بچے ایک ہی فہرست میں شامل کئے ہیں۔اس کے بعد بنات الصدیق کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام تحریر کرتے ہیں۔"اسماءؓ بنت ابی بکرؓ اور حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ جو اس وقت کمسن تھیں، اسلام قبول کیا(ابن ہشام، ج:1،ص:159)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ بعثت سے قبل پیدا ہو چکی تھیں۔ زمانہ اسلام کا آغاز 13 قبل ہجرت سے ہوتا ہے۔اب اگر حضرت عائشہؓ کی ولادت زمانہ جاہلیت کے اختتام کے موقع پر ہی تسلیم کیا جائے، تب بھی ان کی عمر 14 سال سے کم ثابت نہیں ہوتی۔یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ کی ولادت زمانہ جاہلیت کے خاتمہ پر ہوئی ہو۔اس کی نفی خود طبری کی تصریح سے عیاں ہے، وہ حضرت عائشہؓ کی ولادت کو دورِ جاہلیت کے خاتمہ کا نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔

5۔ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے، حضرت ابوبکرؓ کی شادی اُم رومان سے 28 سال کی عمر میں ہوئی۔نبی ﷺ حضرت ابوبکرؓ سے دو سال بڑے تھے۔اگر اُم رومان سے عبدالرحمٰنؓ اور عائشہؓ کی پیدائش ابتدائی چار پانچ سال میں یکے بعد دیگرے ہوئی ہو۔جو قرین قیاس ہی ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت عائشہؓ کی پیدائش کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی عمر 32 تا 33 سال ہوگی اور اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر 34 یا 35 سال ہوگی اور نبوّت آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں ملی ہے، اس طرح حضرت عائشہؓ یقیناً بعثت سے پانچ چھ سال قبل پیدا ہوئیں۔

6۔تمام مؤرخین کو اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی کل عمر 67 سال کی ہوئی۔خلیفہ بن خیام عصفری(854ء) جو اصحاب سیر و انساب عرب میں خاص مقام رکھتے تھے وہ اور امام احمد بن حنبل(855ء) فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا سن وفات 50ھ تھا، بلکہ ہشام بن عروہ (763ء) جو اسماءؓ کے پوتے ہونے کے رشتے سے حضرت عائشہؓ کے بھی پوتے ہوئے، کہتے ہیں کہ ان کی دادی اماں حضرت عائشہؓ کا انتقال 50 ہجری میں ہوا تھا۔(سیر اعلام النبلاء الامام ذہبی، جلد:2، ص:11-12)۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہجرت نبوی ﷺ کے موقع پر حضرت عائشہؓ کی عمر 17 سال کی تھی۔اس طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی رخصتی کی عمر 19 سال تھی، نہ کہ 9 سال۔

7۔صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ (القمر:46)۔۔۔مکہ میں نازل ہوئی اس وقت میں بچی تھی، کھیلتی پھرتی تھی۔سورۃ القمر مکہ کی نہایت ابتدائی دور کی سورۃ ہے یعنی بعثت نبوی ﷺ سے چار پانچ سال بعد کی ثابت ہوتی ہے لیکن اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ سورۃ القمر ہجرت سے پانچ سال قبل نازل ہوئی ہے تو اس طرح بھی ہجرت کے وقت ان کی عمر چودہ یا پندرہ سال قرار پاتی ہے اور رخصتی کے وقت ان کی عمر 17 سال سے زائد ہی بنتی ہے۔یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سید سلیمان ندویؒ جو اس خیال کے زبردست حامی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح 6 سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی 9 سال کی عمر میں ہوئی، غیر شعوری طور پر اپنی ہی رائے کے خلاف دلائل دے جاتے ہیں۔اپنی کتاب "سیرت عائشہؓ" جس میں ایک جگہ تحریر کرتے ہیں۔ "امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے۔اس وقت ان کی عمر سڑسٹھ(67) برس تھی"(ص:153)۔دوسری جگہ انہوں نے لکھا ہے حضرت عائشہؓ بیوہ تھیں اور اس عالم میں انہوں نے زندگی کے چالیس مرحلے طے کیے"(ص:111)۔

ان دونوں بیانات کو(یعنی حضرت عائشہؓ کی عمر وفات کے وقت 67 سال کی تھی اور ان کی بیوگی کا زمانہ 40 سال کا رہا ہے) تسلیم کرنے کے بعد ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے موقع پر ان کی عمر 27 سال کی تھی۔اس طرح یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کی ولادت، بعثت سے 4 سال پہلے ہوئی تھی۔اس لیے کہ زمانہ نبوّت ﷺ 23 سال کا تھا۔27 میں سے 23 سال نکالنے کے بعد 4 سال بچتے ہیں۔اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر 36 سال کی تھی۔کیونکہ نبوّت آپ ﷺ کو 40 سال کی عمر میں عطا ہوئی ہے۔حضرت عائشہؓ کی ولادت بعثت سے 4 سال قبل ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت

کے موقع پر وہ 17 سال کی تھیں اور دو سال کے بعد 19 سال کی تھیں۔

8۔"اسد الغابہ" میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ، حضرت عائشہؓ سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں (جلد چہارم، ص: 377)۔ اب ہمیں حضرت فاطمہؓ کا سن پیدائش دیکھنا ہے۔ اسد الغابہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش اس سال میں ہوئی تھی جبکہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور نبی اکرم ﷺ کی عمر 35 سال کی تھی۔ (جلد چہارم، ص: 377)۔ اسد الغابہ ہی میں ہے کہ "حضرت عباسؓ نے کہا کہ فاطمہؓ اس زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ (جلد چہارم، ص: 280)۔

9۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ ان دنوں پیدا ہوئی تھیں جب قریش بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اور یہ واقعہ نبوّت سے پانچ سال پہلے کا ہے (جلد: 8، ص: 11)۔ دوسری جگہ حضرت عباسؓ نے فرمایا "دیکھو فاطمہؓ تم ان دنوں پیدا ہوئی تھیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی عمر 35 سال تھی" (جلد: 8، ص: 17)۔ اس لحاظ سے عائشہ صدیقہؓ کا سال ولادت نبوت کا پہلا سال قرار دیا جائے تو ہجرت نبوی ﷺ کے وقت ان کی عمر تیرہ سال سے زیادہ بنتی ہے اور رخصتی کے وقت پندرہ سال سے زیادہ۔

10۔ ایک روایت کے مطابق آپؓ کا غزوہ بدر میں موجود ہونا، غزوہ احد میں پائنچے چڑھائے ہوئے زخمیوں کو پانی پلانا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپؓ اس وقت نو سال کی کم عمر لڑکی نہیں بلکہ جوان خاتون تھیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے چودہ سالہ لڑکوں کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس غزوہ میں شرکت کے لیے کم از کم عمر کی حد پندرہ سال رکھی گئی تھی، تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی کم عمر لڑکی کو غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی جائے۔ جنگ احد میں ایک موقع پر دیگر خواتین کے ساتھ حضرت عائشہؓ بھی مدینہ سے پانی بھر کر لاتی اور مجاہدین کو احد کے دامن میں پانی پلاتی تھیں، یہ کام کسی کمسن کا نہیں، بڑی لڑکی یا عورت ہی کا ہو سکتا ہے۔

11۔ حضرت عائشہؓ نے معراج اور ہجرت نبوی ﷺ کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان کی توقع ایک ذہین اور بالغ لڑکی ہی سے کی جا سکتی ہے، کسی کمسن لڑکی سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی۔ اس بات پر سب کو اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کو قرآن وحدیث، علم والنساب، شعر وادب اور تنقید و فہم سخن میں درجہ کمال حاصل تھا۔ علاوہ ازیں وہ طب میں بھی دخل رکھتی تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تفسیر قرآن، حدیث اور دیگر دینی علوم انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی فیض صحبت سے حاصل کیے تھے۔ ولی الدین الخطیب مصنف مشکوٰۃ تحریر کرتے ہیں۔ "حضرت عائشہؓ، فقیہہ، عالمہ، فصیحہ اور فاضلہ تھیں۔ بکثرت احادیث رسول ﷺ نقل کرتیں۔ زمانہ جاہلیت کی جنگوں اور ان کے اشعار کی بہت ماہر تھیں۔" (مشکوٰۃ، ص: 612)

اُم المومنین کے بھانجے عروہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، تاریخ عرب اور النساب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔۔۔ عطا بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اُم المومنین سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ عالم اور سب سے اونچی فکر رکھتی تھیں۔۔۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ جب ہم صحابہ کو کسی حدیث میں دشواری پیش آتی تو ہم یہ مشکل اُم المومنین کے سامنے پیش کرتے اور ہمیں اس مشکل کا حل ان کے پاس ملتا (البدایہ والنہایہ، ج: 8، ص: 92)۔ حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے دین کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں تک پہنچا ہے۔ ان سے 2210 حدیثیں مروی ہیں (تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی)۔ ان کی حیثیت محض راوی ہی کی نہ تھی بلکہ وہ فقیہہ ومفسر اور مفتی ومجتہد بھی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تک بعض مسائل میں ان کی جانب رجوع کرتے تھے۔

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

ہماری بیٹی، عمر 26 سال، قد 5 فٹ 5 انچ، تعلیم ایم فل (بائیوکیمسٹری) قوم آرائیں، رہائش لاہور کے لئے رشتہ درکار ہے۔ سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ترجیح دی جائے گی۔ خواہشمند حضرات درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ 0324-6210995

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : کثرت سے حج اور عمرہ کرنے والا غریب اور محتاج نہ رہے گا۔
ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں

احباب سلسلہ کیلئے اسپیشل ڈسکاؤنٹ اور بہترین سروس کیساتھ۔

ساتھیوں کو گروپ کی شکل میں بھی بھیجا جاسکتا ہے
ایڈوانس رابطہ کیجئے۔

سستے ترین عمرہ پیکیج

اکانومی
بجٹ اکانومی پلس سٹارز ہوٹلز
پیکیجز دستیاب ہیں

اور تمام ائرلائنز کی ٹکٹیں ایڈوانس بکنگ کیساتھ فوری دستیاب ہیں
نیز سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کے
ورک ویزوں کے پراسس کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں۔

اکال والا روڈ عبداللہ چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ
0334-6289958
0334-0694165
046-2511559
046-2512559
WhatsApp: 0334-6289958
Email:alarooj@hotmail.com

العروج انٹرنیشنل ٹریولز

IATA PIA Come Fly With Us & PSA
GOVT LIC 2223
اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
لائسنس نمبر LHR-1559

has his own personal relationship with Allah (SWT) and his Prophet (SAWS). A Shaikh is only a teacher who can teach his disciples as much as he knows and as much as the students seek from him. When you go to a school or a college to study, there are teachers who teach you. Has any student ever asked the teacher that I can't study, please pray for me that I know everything automatically? Nobody thinks about doing this. If a student is not being diligent he fails, then he studies for another year in the same class and tries to get through. A student never gives up his studies merely because he does not like to study or cannot study. So if you yourself will not decide to remember Allah (SWT) or to perform obligatory prayers, nobody can help you with his supplications. If this was dependent on supplications merely, by others, then the Tableeghi Jam'aat would have sufficed us all, as they make so many supplications to Allah (SWT), with sincerity and tears, but what has changed around us?

A supplication can only be made to Allah (SWT) and it is an act of worship, on its own. However, there is no such supplication which can compel you to offer prayers. Even if I pray for you still the decision to offer prayers rests with you. The decision to do Zikr rests with you. I can pray to Allah (SWT) that He may kindly accept your Zikr and grant you good rewards upon it. Allah (SWT) is the Bestower and it is a matter between Him (SWT) and you. The Prophet (SAWS) said that supplication is the pith, the essence of worship. However, we must realize that there are rules and limits of supplications. You have never written an e-mail or a request asking to pray for me so that I may eat food, rather you eat your food yourself. You have never requested me to pray so that you may sleep at night, rather you sleep at night yourself. Nobody ever asks me to pray that he may perform his office duties well. All these things he can do himself, then why is it only Allah's (SWT) worship that he needs support for?

This is, indeed, a very dangerous situation and it indicates you do not enjoy the Blessing of an expanded bosom, or Islam.It tells that your heart is not in agreement or acceptance of worship. Your mind accepts that it is good to offer prayers but the king, the heart, is not agreeing to offer prayers. Whereas Islam means that a person's heart has been expanded by his Provider and has been filled with Light whereby he starts his journey on an illuminated path. This is the decision which every individual has to make on his own. How sincere he is and how much effort he puts in, how much he wants to gain is known to the individual and to Allah (SWT) alone. So, my request is that you must tread this sublime path only when you decide yourself, what to do, and keep your hearts open. May Allah (SWT) grant you with an expansion of bosoms/hearts. Try to attain as much Light and do not just wait for someone to make you do it. Since it is being said that woe be unto those, whose hearts have hardened for Allah's (SWT) Zikr; they are destroyed, they have lost every thing. They are evidently the completely misguided.

The verdict passed by Allah's (SWT) Book is based on Truth and here it has been declared that there are two classes of people. One, with an expansion of the bosoms for Islam and they are Blessed with a Light from their Provider, to accompany them on this path which they are treading now. The other class is of people, whose bosoms or hearts do not accept Allah's (SWT) remembrance, these are the misguided lot. Allah (SWT) has revealed the most beautiful message in the form of this Book. It is full of beautiful phrases and the most wonderful words.

Speech is a reflection of the personality of the speaker. It reflects his temperament, traits and feelings. When an identical phrase is uttered by a scholar and also by an illiterate person the listener can instantly guess, the difference in their personalities. If the speech by human beings has the reflection of their personalities, then imagine the Magnificence of Allah (SWT) that is reflected from His (SWT)'own words

(Continued to page no 55)

his disciples and a Shaikh is a teacher, in reality. The duty of a Shaikh is to transfer the Light and Barakaat present in his heart unto the hearts of his disciples. The Sheikh must train and teach his disciples as well as transfer the feelings into their heart. It does not by any means imply that a Sheikh has a bag full of Blessings which is not to be opened and the disciples should only come and behold, the Shaikh. This is wrong. A saint or Sheikh is only a teacher and a disciple is merely a seeker. Whatever excellence is enjoyed by a Sheikh, he must teach his disciples. If a Sheikh has an illuminated heart he should illuminate the hearts of his disciples,as well. It is a separate issue that each seeker will be blessed according to his capacity, sincerity, efforts, dedication and level of understanding. However, every disciple should receive some Barakaat, at least as much as he is capable of acquiring. Nobody should remain devoid of it.If the disciples are happy with merely being disciples then what good will it do to them? What will they gain from such an association?

So if there are the people whose hearts have been hardened and do not accept Allah's remembrance, and fail to get illuminated, then as the ayah says *"These are the ones manifestly misguided"*; that is they are not on the right path.

We recite the Quran for earning rewards and indeed it's recitation is meritorious. We read the Quran to gain feelings and it abounds in feelings. We read the Quran to seek Allah's pleasure and it does invoke Allah's pleasure, but we should also read the Quran to understand what it says.Quran is Allah's (SWT) book, hence looking at it is an act of worship, touching is an act of worship and reciting it is also an act of worship. Its recitation is Sunnah and if someone recites loudly, then listening becomes obligatory and the listener receives the Barakaat (Blessings).

Our Shaikh ul Mukaram (Rehmat Ullah Elae) used to say that we practice Allah's remembrance and recite the Quran. These are like soap, even if one applies it inattentively, applies it inattentively, it does remove some dirt, but if we use it attentively the clothes get clean quickly. So there are barakaat associated with the Quran, but we must also try to understand what is the meaning of the Quran. Quran is telling us that the true bondsmen of Allah (SWT) are those whose hearts open up for Islam.

I receive letters and e-mails from people everyday. Some of them are very interesting in which the senders ask for prayers. One of them wrote, "Please pray for me that I perform the obligatory prayers as I cannot offer them." Some write, "Please pray for me that I practice Zikr; I know Zikr is a good thing to do but I fail to do it." I answer such questions that Allah (SWT) has sent the Prophet (SAWS) as the Sun of guidance that will dissipate lights for all times to come. Allah has given you the eyes to see, the respite to live and the capacity to understand. Now if you live blindly and don't open your eyes and do not understand, what good will my prayers do? If you think that my prayers can compel you to offer obligatory prayers then you must remember that Allah (SWT) could have compelled human beings to offer prayers, but He (SWT) did not.Had He (SWT) made the rule that whosoever missed the prayers will turn blind, or his breathing would stop, or his heart would fail then who would have dared to miss their prayers?

Allah (SWT) gave us our physical features, our faces without consulting. Has anyone the guts to stop Him? Allah (SWT) decides to give wisdom, health or sickness, richness or poverty by His (SWT) choice. Has anyone ever tried to change that or show any resistance? Had He (SWT) decided to compel us to offer prayers, He (SWT) could have easily done so. I can only tell you the importance and superiority of the prayers. I can teach you how to offer them , but you have to offer them yourselves. If you want to pray with the support of my good wishes, then what will you earn from such a worship? How will your heart then expand to Islam? So, try to realize that each individual

EXPANSION OF BOSOMS/HEARTS

(Part-II)

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

8 Feb 2015

The Quran has divided mankind into two groups, in the ayah, under discussion. The first group is of those whose hearts have been opened by Allah (SWT) to Islam and have been Blessed by Light from Him (SWT). Their bosoms have been filled with Light (Noor).This means that the Barakaat of the Prophet (SAWS) will remain there, though the level of the opening of the hearts will be different. Each individual will have his own level as much as he strives for the Blessings; but they will be there and for everyone.

In our society today, it has become a common notion about Saints that their disciples believe that all excellence is with the saint and the disciples must turn to him for all matters and needs. This is contrary to Islam.Anyone who attended the company of the Prophet (SAWS) became a Companion (RAU) though they had their own levels. Some became jurists, some became narrators of Hadith, some excelled in military expertise yet all of them were Companions (RAU). It is not as if some were granted Companionship while others were denied..

The noble company of the Prophet (SAWS) conferred the status of a Companion (RAU) to all those believers who enjoyed his company, indiscriminately. Each Companion (RAU) then excelled in his natural capacity and aptitude. This Blessing continued and those who came in the company of the noble Companions (RAU) had their own status and were called Tabaeen. The Tabaeen received the same Blessings in their hearts from the Companions (RAU). This continued and and those who enjoyed the company of Tabaeen became Taba Tabaeen automatically.Henceforth the transference did not remain so easy. Some people say that beyond this period it seemed very difficult and almost impossible. Did they mean that the Prophet's (SAWS) Barakaat could not go beyond that era, or a barricade was erected in their transference? No, these Barakaat of the Prophet (SAWS) are to be transmitted till the end of time. So, how many amongst the population, today have illuminated hearts? How many bosoms have expanded for Islam and are blessed with Light? Now, Quran is defining a Muslim as a person who has his heart or bossom expanded for Islam. The definition of this expansion is that- whatever command of Allah (SWT) is received through His Prophet (SAWS), it penetrates straight into the heart. Thus, no ifs and buts arise over the execution of Allah's (SWT) command.The heart is thus so illuminated and cleansed that whatever word is heard (of the Quran and the Prophet SAWS) it enters straight into the heart.

In contrast to this group of believers is another group; "*Woe be to those whose hearts have hardened against Allah's (SWT) remembrance.*" This group of people will be in intense grief as they are incurring a great loss upon themselves due to hardening of their hearts and the nonacceptance of Allah's remembrance. They are not accepting Islam, thereby falling in the category that will be at a great loss. Had they accepted Islam, their hearts would have opened up, too. So the non believers have their hearts that are devoid of Light, Remembrance and Islam.

My late Shaikh ul Mukaram (Rehmat Ullah Elae) was addressed as a "Teacher" by

purification cannot be attained by mere study of books and periodicals on Tasawuf. This invaluable bounty can be acquired only in the company of an accomplished Sheikh, through the process of *ilqa* and *in'ekas*. Though there is a definite increase in the books and journals on Tasawuf, yet they discuss only the form and do not offer the substance.

Highest Stages of the Path

The last limit of *wilayah* is the Circle of *Siddiqiyat*; beyond this are stages reserved for Prophethood. The access of a *wali* to these stages is similar to that of a menial to the royal palace; or like the entry of followers along with their respective Prophets; or the companionship of the Prophet's(SAWS) wives with him, in Paradise.

Here is the detail of these sublime stages of the Path.

The Circle of Nearness of Prophets, the Circle of Nearness of the Messengers, the Circle of Nearness of the Exalted Messengers, the Circle of Nearness of Prophet Muhammad(SAWS), the Circle of Nearness of ALLAH, the Circle of Union with ALLAH, the Circle of His Pleasure, the Nearness of His Favour, the Ocean of His Favour, the Treasure of His Favour, the Fountainhead of His Favour, and His Veils. To go through these veils even Prophet Nuh's A.S. age will be insufficient. Beyond these Devine Veils are probably more stages of the Path, not unfolded to me so far. It is possible that by His Infinite Mercy and His Absolute Power, these vistas may also be unfolded one day. There are only three methods to reach these stages, namely:

1. That spiritual growth of a *wali* is undertaken directly by the Holy Prophet's(SAWS) auspicious spirit.

2. That beneficence is drawn directly from ALLAH, through adherence to the Prophet(SAWS).

That beneficence is received through the distant *Tawajjuh* of the one blessed as per (1) and (2) above.

(Continued to page no 52)

in the Quran! Then these words have not come to us directly. Allah (SWT)'s words were revealed unto the purest Heart of Prophet Muhammad (SAWS). His (SAWS) Noble lips and truthful Noble tongue conveyed Allah (SWT)'s words to mankind. We may stop here for a moment and think that the Quran, we have today, are Allah (SWT)'s words revealed unto the Noble, Pure heart of the Prophet (SAWS) and spoken by him (SAWS), which we are reading today! In other words, this Book reflects Allah (SWT)'s Magnificence as well as the Light of Prophethood and Grace. It guides us to all that we must do and that we must not do. Had it only been a guide to the ups and downs of life, even then it was a great favor but it is much more. The Quran is laden with a certain sweetness which cannot be found in any other Book. Every word is laden with Light(Noor);however,if we do not enjoy or experience this pleasure or do not receive the Light in our hearts then we are to be blamed. Allah (SWT) is announcing that He (SWT) has revealed the most beautiful of words in the Book, nobody can ever surpass the beauty of these words and it excels in class over all that has ever been said by anyone, in time.

Just as every fruit has its own flavor and gives a unique pleasure when eaten, each and every word of the Quran has its own sweetness and taste. It has Allah (SWT)'s Magnificence as well as the Barakaat of the Prophet (SAWS). It is the custodian of the Divine Refulgence as well as the Light of the Prophethood (SAWS). It is the most beautiful Book with messages often repeated in varying styles to reinforce guidance. It would have been enough if it is stated "Establlsih Salat" only once, but the Quran repeatedly guides us and says "Establish Salat", on many occasions. Had it been only said, "Believe in Allah (SWT)" once, it would have been enough, but it keeps on repeating as if giving a new dose of vitality each time so that the patient gains health. Now if the patient refuses to get the requisite dose then what can be done!

Circles of *Qayyumiyat*, *Afradiyat*, *Qutb-e Wahdat* and *Siddiqiyat*; in that order, the last named being the farthest limit of the Path.

From *Ahadiyyat*, the first stage of the Path, to the *Daera-e ul-al-Azmi* (the Circle of the Exalted Messengers) is halfway on the Path; the remaining half is beyond this. That is why any claim of going over the entire Path by a particular *wali* or his disciple is, at the very least, amazing proclaim. Anyone attaining *Fana-o-Baqa*, an initial stage of the Path, should be considered a man of great achievement and should gratefully acknowledge it, because:

This is the bounty of ALLAH which He gives to whom He wills. (62: 4)

All heights attained by the *aulia* are like the moisture outside a water-skin, in comparison to those of the Prophets. And these can be attained only in a school of piety, from a pious preceptor. It must be remembered that all exoteric knowledge can co-exist in the heart with secular love, but not *sûfi* knowledge. To try this combination shall be tantamount to forcing opposites together.

- Any knowledge can be acquired side by side with secular love, which aids such an acquisition, but not *sûfi* knowledge. It cannot be attained without mortifying the carnal desires; it is imparted in a school of piety. As promises ALLAH, "Be pious and I shall bless you with knowledge." ***(Fatāwa al-Hadithiah)***

The fact is that Tasawuf and the Path cannot be attained merely by pronouncing pedigrees, attiring in *sûfi* style caps and robes, displaying long rosaries, arranging festivals on shrines, attending chorus, or esoteric displays of sorts and dancing; the conditions are totally different.

The first and the foremost, is the total adherence to the *Shari'ah* which calls for a firm belief in Divine Unity and complete devotion to the Prophet's(SAWS) *Sunnah*, devoid of any heresy whatsoever: Polytheism and heresy cut across the very roots of His Favour.

Secondly, complete loyalty to the Sheikh is essential; antagonism would result in discontinuation of beneficence. The meeting of Prophet Musa(A.S.) and Khidhar as narrated in the *Qurān* (18: 60-80) fully illustrates this point. Lastly, there is frequent *zikr* with utmost sincerity and endeavour. With these conditions one may hope to cover the stages of the Path, ALLAH willing, in a decade or two. Tasawuf means ALLAH's gnosis and an access to *His* Realities. Its attainment depends upon singular devotion towards *Him*, a devotion altogether absolved of any expectations from His creation.

Wilayah-e Ulya, the grand *wilayah*, a domain of the Prophets(AS) is only attained by those who completely identify themselves with the Prophets, both outwardly and inwardly. The outward aspect demands following the *Shari'ah* -in toto- and a firm adherence to the *Sunnah*. There is no room for complacency in mystic pursuits. The inward aspect signifies that a saint should possess inner illumination just as the hearts of Prophets and Angels are illuminated with ALLAH's light. His heart must be free from all wayward impulses. A *wali* is not born innocent as the Prophets(AS) were, but ALLAH willing, he can attain protection from sins; it does not mean that he should abandon his day to day mundane business; he should rather follow the dictum:

"Occupied without, illuminated within."

An excellent illustration of such a state is given in the *Qurān*:

Men whom neither merchandise nor sale beguiles from remembrance (zikr) of ALLAH. (24: 37)

It is, therefore, not necessary to renounce the world for the purpose of *zikr*, but it is essential that no mundane love should enter the heart.

I have spelled out the objectives and the means of attainment. I reiterate that

THE WILAYAH OF THE PROPHETS

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

Continued....

CHAPTER-IX

The origin of the human race and the habitation of the earth are directly traced to Hadhrat Adam[A.S.] who is the fountainhead of all love and affection:

Lo! I am about to place a viceroy in the earth. (2:30)

For this reason, ALLAH made him the central figure of *Daera-e Muhabbat* (the Circle of Love). There are many other Circles of *wilayah* peculiar to Prophets; for example: *Wilayah-e Esvi, Wilayah-e Musvi, Wilayah-e Muhammadi* (peace be upon them), besides Prophet Musa's[A.S.] privilege of direct speech with Him, and the Circle of *Wilayah-e Ibrahimi*.

Prophet Ibrahim[A.S.] suffered numerous trials but remained steadfast. As a reward, he was chosen as His *Khalil* (sincere friend). The Circle of his *wilayah* is called *Maqam-e Khullah*. Just as a king has his confidants with whom secrets are shared, it was *Kalim-ALLAH*, Prophet Musa[A.S.] to whom ALLAH spoke in confidence. His Circle of *wilayah* is called *Muhibbiyyat* (being affectionate). Then there is the chief of the loved ones, Prophet Muhammad[(SAWS)]. His Circle of *wilayah* is known as *Mahbubiyyat* (being a beloved) and *Hubb-e Sarfah*. Beyond this is the *Maqam-e Radha* which is described by Imam Rabbani, Mujaddid Alif Thani in the following words:

> Above and beyond *kashf* and *karamah* is *Maqam-e Radha*. This is the farthest station in the spiritual pilgrimage and extremely difficult to attain. Only one out of a thousand striving *aulia* may succeed. (***Rûh al-Ma'ani***, vol: XVI, p: 20)

Some learned *sûfis*, like the worthy Imam Rabbani, think that the farthest station of the prophets' *wilayah* is *Maqam-e Radha*. But beyond this are the Circles of *Kamalat-e Nabuwwah* (excellence of the Prophets). All research scholars agree that these Circles are beyond *Maqam-e Radha* which cannot, therefore, be held as the highest station.

In the meditation of each of these Circles, the focus is on the Divine Essence and an expectation of His Favour. He is the real object of all the Prophets(AS), the Messengers and the Exalted Ones. Variations occur only in the points of view, and as such meditations and the states differ. For example, from the point of view that the Being is:

- The purport of all aspects of nearness, i.e. worship, etc.—this Circle is the *Haqiqat-e Salah* (Reality of the *Salah*).
- Flawless, above any needs and limitations—this Circle is the *Haqiqat-e Saum* (Reality of the Fast).
- The only One Worthy of Worship and adoration by the entire creation—this Circle is the *Haqiqat-e Ka'bah*.
- The Tenor of all revealed scriptures, the All-Prevailing, the Transcendent and the Omnipresent—this Circle is the *Haqiqat-e Qurãn* (Reality of the *Qurãn*). The *Qurãn* represents the All-Embracing and Transcendent Being.

Except the Circle of *Haqiqat-e Saum*, the other three Circles are the *Haqiqat-e Ilahiyah*. An access to these is termed as the observation of the Truth. All these Circles are beyond *Maqam-e Radha*. Thereafter are the

MONTHLY
Al-Murshid

November 2016
SAFAR-UL-MUZAFFAR 1438H

الله
رسول
محمد

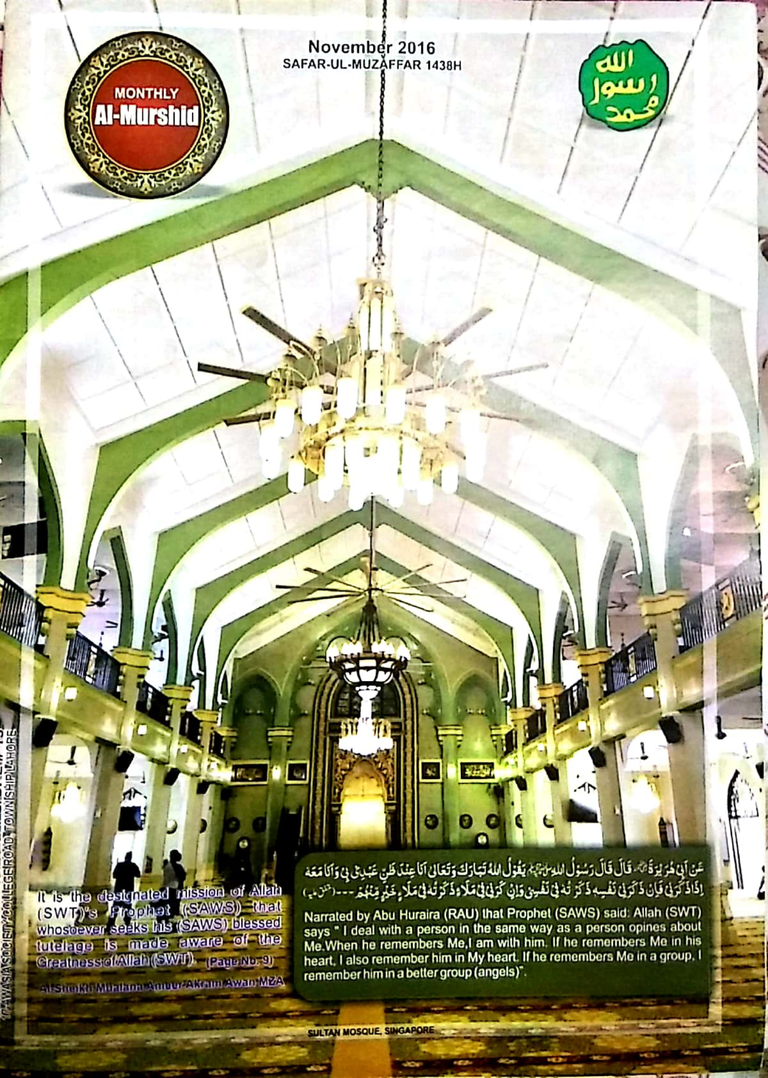

It is the designated mission of Allah (SWT)'s Prophet (SAWS) that whosoever seeks his (SAWS) blessed tutelage is made aware of the Greatness of Allah (SWT). (Page No. 9)

Al-Sheikh Mualana Ameer Akram Awan MZA

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِيْ فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ ---(متفق عليه)

Narrated by Abu Huraira (RAU) that Prophet (SAWS) said: Allah (SWT) says " I deal with a person in the same way as a person opines about Me.When he remembers Me,I am with him. If he remembers Me in his heart, I also remember him in My heart. If he remembers Me in a group, I remember him in a better group (angels)".

SULTAN MOSQUE, SINGAPORE

17-AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255